خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ دھموار شریف کا دوسرا سالانہ قلمی شاہکار

بنام

ابشارِ حق

نامور اہل قلم حضرات کے گراں قدر مضامین کا حسین مجموعہ

حسب ایما

حضرت سید بختیار حسن صابری فریدی چشتی قادری

ایڈوائزر

حضرت مولانا مفتی محمد بشیر احمد مصباحی صاحب قبلہ سیتامڑھی بہار

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد سرفراز احمد مصباحی سیتامڑھی بہار

خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ

دھموارہ شریف علی نگر بلاک دربھنگہ (بہار)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ دھموارہ شریف کا دوسرا سالانہ قلمی شاہکار

بنام

اسرارِ احق

حسب ایماء

حضرت سید بختیار حسن صابری فریدی چشتی قادری

سجادہ نشیں خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ دھموارہ شریف دربھنگہ (بہار)

مرتب

مولانا مفتی محمد سرفراز احمد مصباحی سیتامڑھی

ایڈوائزر

مولانا مفتی محمد بشیر احمد مصباحی سیتامڑھی

ناشر

خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ دھموارہ شریف دربھنگہ (بہار)

9899462450/ 8800169340

نام کتاب : اسرارِ حق

مرتب : مفتی محمد سرفراز احمد مصباحی (سیتامڑھی)

ایڈوائزر : مفتی محمد بشیر احمد مصباحی (سیتامڑھی)

حرف اولیں : حضرت سید بختیار حسن صابری فریدی چشتی قادری

پروف ریڈرس : استاذ القرا حضرت مولانا قاری محمد نعیم الدین قادری (کٹیا)

مولانا محمد شمشیر رضا قادری، حافظ حسن رضا، حافظ شاہنواز عالم

قاری محمد سراج الدین سراجی (اکڈنڈی)

کمپوزنگ : مفتی محمد سرفراز احمد مصباحی (سیتامڑھی)

ناشر : خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ دھموارہ شریف دربھنگہ

سن اشاعت : بموقع ۱۴/واں سالانہ عرس صابری ۱۰ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ

مطابق ۱۷ جنوری ۲۰۱۹ء

قیمت : 51

تعداد : 500

ملنے کے پتے:

- خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ دھموارہ شریف، دربھنگہ
- شمس الاسلام فاؤنڈیشن ویلفیر ٹرسٹ، اکڈنڈی، سیتامڑھی
- خانقاہ صابریہ T 41 سرائے کالے خان، حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی 110013

فہرست مضامین

اسرارِ حق

حرف اولیں

از: حضرت سید بختیار حسن صابری فریدی چشتی

سجادہ نشیں خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ، دھموارہ شریف، علی نگر بلاک دربھنگہ (بہار)

۹۲/۸۶ے

حمد لا محدود ہے رب الارباب، خالق ارض و سما، مالک انس و جاں کے لیے جس نے لفظ کن سے کل کائنات کی تخلیق فرمائی۔ درود و سلام کا ہدیہ نچھاور ہے حضور ﷺ کی آل و اولاد اور تمام اصحاب پر جنھوں نے نبی کے ایک اشارے پر اپنی جان اور مال و دولت قربان کیا۔

مختلف نظریات کے حاملین دین متین کی خدمت مختلف پیرایے میں کرتے آرہے ہیں جن میں ایک تحریری شعبہ تبلیغ کے لیے بہت موثر اور کارگر رہا ہے۔ان کے علاوہ دیگر کثیر اسلوب ہیں جن سے خدمت اسلام کی جاتی رہی ہے۔ اور بہت سارے طریقوں سے باطل و فاسد نظریات اور افکار کی سرکوبی ہو سکتی ہے۔**ان میں چند طریقے یہ ہیں:**

(۱)مدارس کا قیام کرکے (۲)مکاتب کھول کر (۳)اپنے علما کی کتابیں تقسیم کرکے (۴)مشہور اور بزرگ علمائے متقدمین کی کتابوں میں تالیف و ترتیب کرکے (۵)قرآن اور احادیث کی کتابوں نیز فقہیات اور درسی وغیر درسی کتابوں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرکے وغیرہ۔

اسی طریقہ کار کی ایک صورت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ناچیز (سید بختیار حسن) نے قلمی کاوشوں کا سلسلہ شروع کیا اس اخلاص نیت سے کہ عرس صابری کے حسین موقع پر عوام الناس کو ایک نہ ایک تحریری تحفہ پیش کیا جائے جس سے قوم و ملت کی تعلیم میں اضافہ ہو اور دینی تعلیم سے روشناس کراکر انہیں دین سے قریب تر کیا جا سکے۔

بحمدہ تعالی سال گذشتہ (۲۷/۲/ جنوری ۲۰۱۷) کو عرس صابری کے موقع پر مفتی محمد سرفراز احمد مصباحی کی کتاب "مختصر سوانح سلف" سے اس کار خیر کا آغاز ہوا اور مسلسل دوسرا قلمی شاہکار بنام "اسرارِ حق" ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے جو دراصل نامور قلم کار حضرات کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ایسے موقع پر ان کرم فرما اور خیر خواہ حضرات کا ذکر نہ کروں جنھوں نے اس قلمی سفر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری آواز پر لبیک کہا۔

میں صمیم قلب سے تمام شرکا حضرات کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت سے اس کتاب کی شکل میں قوم کو عظیم تحفہ عطا فرمایا، اور مفید مشوروں سے نواز کر اس کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا۔

میں تہہ دل سے محب گرامی مولانا محمد شمشیر رضا قادری، مفتی محمد بشیر احمد مصباحی، محب گرامی ڈاکٹر التفات امجدی، قاری محمد عرفان چشتی صاحب اور اپنے ان تمام رفقا کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنھوں نے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ جیسے مشکل امر کو آسان بنانے کے لیے کسی بھی قسم کی مدد کی اور وقفہ وقفہ میرے عزم و حوصلہ کو تقویت پہنچائی۔

خصوصی طور پر حضرت مفتی محمد سرفراز احمد مصباحی صاحب کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری گزارش پر اپنا قیمتی وقت صرف کر کے اس کتاب کی تمام تر مراحل جیسے اشاعت، تبییض، ترتیب، کمپوزنگ، ڈیزائننگ میں بیشتر حصہ قربان کیا۔

ساتھ ہی ساتھ تمام مریدین اور برادران طریقت بالخصوص محمد شمشاد صابری، محمد دلشاد صابری دہلی کا صمیم قلب سے ممنون ہوں جنہوں نے اپنے والد مرحوم محمد بابو خان صابری چشتی کی ایصال ثواب کی غرض سے تعاون پیش کیا۔اور سید سعد اللہ صاحب سادات پور

سیوان، محمد ظفیر احمد مالکی مسہاوی، عبد الکلام صاحب کٹیاوی، عبد الوحید تاجی، ماسٹر رقیب الحق بتہاوی صاحب کا بھی تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں خطیر رقم صرف کیا۔ ان تمامی حضرات کے لیے دست بدعا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے صدقہ و طفیل ان حضرات کو سعادت دارین و برکات دارین سے سرفراز فرماکر علم نافع و اجر عظیم عطا فرمائے اوراس کتاب کو عوام و خواص کے لیے نفع بخش بنائے۔

اخیر میں ہم اپنے قارئین سے مؤدبانہ و مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ اگراس کتاب کی ترتیب وطباعت میں کہیں کوئی خامی نظر آئے تو ہدف تنقید کے بجائے علمی امداد فرماکر از راہِ کرم بغرض اصلاح آگاہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی جائے گی۔

سید بختیار حسن صابری فریدی چشتی

۱۳/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعۃ المبارکہ

9899464250/8800109340

فلسفۂ معراج النبی ﷺ (محمد شمشیر رضا قادری)

نقوش کف پائے مصطفی ﷺ کی چاندنی ''معجزۂ معراج'' تاریخ ارتقائے نسل انسانی کا وہ سنگ میل ہے جسے قصر ایمان کا بنیادی پتھر بنائے بغیر تاریخ بندگی مکمل نہیں ہوتی اور روح کی تشنگی کا مداوانہیں ہوتا۔ معراج النبی ﷺ تاریخ انسانی کا ایک ایسا حیرت انگیز، انوکھا اور نادر الوقوع واقعہ ہے جس کی تفصیلات پر عقل ناقص آج بھی حیران و ششدر ہے، اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ سفر معراج کیوں کر طے ہوا؟ عقل حیرت کی تصویر بن جاتی ہے، ماڈی فلسفہ کی خوگر، عناصر اربعہ کی بے دان باندی اور عقل ناقص یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ انسان کامل حدود سماوی کو عبور کرکے آسمان کی بلندیاں طے کرتا ہوا لامکاں کی وسعتوں تک کیسے پرواز کرسکتا ہے؟ اور وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جسے دیکھنے کی عام انسانی نظر میں تاب نہیں اس لیے حدود و قیود کے پابند لوگ اس بے مثال سفر معراج کے عروج وارتقا پر انگشت بدندان ہیں اور اسے من و عن اور مستند انداز سے مذکورہ تفصیلات کے ساتھ بھی ماننے کو تیار نہیں ہوتے، اور ایسے ایسے شبہات وارد کرتے ہیں اور تشکیک کا ایسا غبار اڑاتے ہیں کہ دلائل سے غیر مصلح ذہن اور عام آدمی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور دیوار ایمان متزلزل سی ہونے لگتی ہے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے معجزات میں معجزۂ معراج خصوصی اہمیت کا حامل ہے تاریخ انبیا کی ورق گردانی کی جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے برگزیدہ رسولوں اور نبیوں کو اللہ رب العزت نے اپنے خصوصی معجزات سے نوازا۔

ہر نبی کو اپنے عہد، اپنے زمانے اور اپنے علاقے کے احوال سے متعلق معجزات سے نوازا تاکہ ان کی حقانیت ہر فرد بشر پر آشکار ہو اور وہ ایمان کی دولت سے سرفراز کیا جائے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام کی امت جو کہ جادو میں کمال رکھتی تھی، ہزاروں جادوگر دربار شاہی سے وابستہ ہوتے اس لیے خالق کائنات نے بھی اپنے نبی کو جادو کے ان کمالات کا توڑ کرنے کے لیے معجزات عطا کیے۔ اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے دور میں طب کا بڑا چرچہ تھا نتیجے میں اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کی قوت وقدرت سے فیضیاب کیا تھا، کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے کیوں کہ اس دور میں طب کا دور دورہ تھا اور انسانی نفسیات کو یہی بات زیادہ پسند آتی ہے۔

ہر نبی اپنے وقت کے ہر کمال سے آگے ہوتا ہے امت جس کمال پر فائز ہوتی ہے نبی اس کمال پر حاوی ہوتا ہے اب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تشریف لانا تھا، باب نبوت و رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بند ہو رہا تھا، ختم نبوت کا تاج سر اقدس پر سجایا گیا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین قرار پائے چناں چہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے معجزات سے نوازا گیا جس کا مقابلہ تمام زمانوں کی قومیں مل کر بھی نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ رب العزت کو معلوم تھا کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چاند پر قدم رکھے گی اور ستاروں پر کمندیں ڈالے گی۔ لہذا اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان ولامکاں کی وسعتوں سے نکال کر اپنے قرب کی حقیقت عطا فرمائی جس کا گمان بھی عقل انسانی میں نہیں آسکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام معجزات اور دیگر انبیاورسل کے تمام معجزات ایک طرف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ معراج ایک طرف تب بھی تمام معجزات مل کر بھی معجزۂ معراج کی ہمہ گیریت اور عالم گیریت کو نہیں پہنچ سکتے یہ نبی آخر

الزماں ﷺ کا دائمی معجزہ ہے جس کی عظمت میں وقت کا سفر طے ہونے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جائے گا اور نئے نئے کائناتی انکشافات سامنے آکر معجزۂ معراج کی حقانیت کی گواہی دیتے رہیں گے۔ ارتقا کے سفر میں اٹھنے والا ہر قدم سفر معراج میں نقوش کفِ پا کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ سے اٹھا اور براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچا وہاں سے آسمانوں اور پھر وہاں سے عرش معلی تک گیا حتیٰ کہ مکان ولا مکاں کی وسعتیں طے کرتا ہوا مقام قاب قوسین پر پہنچا اور پھر حسن مطلق کا بے نقاب جلوہ کیا، انبیائے کرام سے ملاقاتیں کیں، جب لوٹا تو گھر کے دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی اور غسل و وضو کا پانی حرکت میں تھا، ابو جہل، ابو لہب کی عقل آڑے آگئی، غبار تشکیک نے حقائق کو چھپا لیا جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عشق کی بازی جیت گئے اور صدیق کے لقب سے ملقب ہوئے۔ انسانوں کا سفر ارتقا نقوش کفِ پائے مصطفی ﷺ کی تلاش کا نام ہے۔

سفر معراج عالم بیداری میں طے ہوا: آج کے سائنسی دور کے ارتقا اور کائناتی انکشافات کے اس دور میں بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں نے خواب میں آسمانوں زمین کی سیر کی اور جب میں واپس آیا تو میرا بستر گرم تھا تو اسے من وعن تسلیم کیا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ خواب کی بات اور خواب میں ایسا ہونا ممکن ہے، اگر حضور ﷺ بھی یہ دعویٰ خواب کے حوالے سے کرتے تو ابو لہب کو اس کی حقانیت سے انکار ہوتا اور نہ ابو جہل کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ عالم بیداری کا کیا گیا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سیر میں نے عالم بیداری میں کی اس لیے عقل عیار اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئی، اب چوں کہ جاگتے ہوئے

یہ سب ہونا انسانی فہم و ادراک سے بالا تر تھا لہذا اس معجزہ کو اہل ایمان کے لیے ان کے ایمان کی آزمائش قرار دیا گیا اس لیے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:" وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ "اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو (بنی اسرائیل، آیت:٦٠)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رویا چوں کہ عام طور پر خواب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لہذا حضور ﷺ کو سفر معراج خواب میں عطا ہوا، در حقیقت یہ مفہوم غلط ہے۔ عربی زبان میں "رؤیا" رات کے وقت کھلی آنکھوں سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں اور دور جاہلیت کے کئی عرب شعرا کا کلام بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے، یہاں رؤیا سے مراد مطلق مشاہدہ ہے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:" لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا" تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں (بنی اسرائیل، آیت:١)

چوں کہ یہ چیز کسی بھی شخص کے لیے عملاً ناممکن تھی لہذا اللہ رب العزت نے اسے اپنی قدرتوں کی طرف منسوب کیا اور فرمایا:" سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا "پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا (بنی اسرائیل، آیت:١)

کفار و مشرکینِ مکہ کا ردعمل ہی ظاہر کرتا ہے کہ معجزۂ معراج کوئی معمولی واقعہ نہ تھا اور نہ یہ کوئی خواب ہی بیان ہو رہا تھا اگر یہ خواب ہوتا تو کفار و مشرکین کا ایسا منکرانہ ردعمل سامنے نہیں آتا اور نہ قرآن میں اس کا ذکر اس اہتمام سے ہوتا۔

الشفا بتعریف حقوق المصطفی میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق کے مطابق ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کو جسمانی معراج پر ایمان رکھنے والا کہا ہے:" وذهب معظم

السلف والمسلمين إلى أنه إسراء بالجسد وفي اليقظة وهذا هو الحق وهو قول ابن عباس وجابر وأنس وحذيفة وعمر وأبي هريرة
ومالك بن صعصعة وأبي حبة البدرى وابن مسعود والضحاك وسعيد بن جبير وقتادة
وابن المسيب وابن شهاب وابن زيد والحسن وإبراهيم ومسروق ومجاهد وعكرمة وابن جريج وهو دليل قول عائشة وهو قول الطبري وابن حنبل وجماعة عظيمة من المسلمين وهو قول أكثر المتأخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين والمفسرين "

اسلاف اور مسلمانوں کی اکثریت اسراء کو جسم کے ساتھ بیداری میں ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور یہی سچا قول ہے اس قول میں ابن عباس ،حضرت جابر، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابوہریرہ، مالک بن صعصہ، حضرت ابوحبہ البدری، حضرت ابن مسعود، حضرت ضحاک، حضرت سعید بن جبیر، حضرت قتادہ ابن مسیب، حضرت ابن شہاب، حضرت ابن زید، حضرت مسروق، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ شریک ہیں اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول پر دلیل ہے اور یہ قول امام طبری، ابن حنبل رضی اللہ عنھما کے علاوہ مسلمانوں کی غالب اکثریت کا بھی ہے اور متاخرین فقہا محدثین اور متکلّمین و مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔(الشفا بتعریف المصطفی،ج اول،صفحہ:۱۸۸)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ المعجم الکبیر والاوسط میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کرتے ہیں:

" عن عبد الله بن عباس كان يقول إن محمدا صلى الله عليه و سلم رأى ربه مرتين مرة ببصرة ومرة بفؤاده " حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے دوسری مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ انہیں مان لیا جائے کیوں کہ سر کی آنکھیں جب تک مرتبہ جسم پر رہیں تو اللہ تعالی کے حسن اور اس کے نورِ ذات کو نہیں دیکھا جا سکتا اور حضور ﷺ نے جب دیکھا تو سر کی آنکھیں مرتبہ قلب پر فائز ہو چکی تھیں اور جسم رتبے میں دل سے بدل چکا تھا یعنی کھلی ہوئی تو سر کی آنکھیں تھیں مگر ان کا دیکھنا ایسا تھا کہ دل دیکھ رہا ہو اس لیے قرآن مجید نے کہا:

" مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى "دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا" یہ دل وہی تو دیکھ رہا تھا جو آنکھیں دیکھ رہی تھی اسی طرح قلبِ حضور ﷺ کو معراج حاصل ہوئی تو وہ مرتبہ رُوح پر پہنچ گیا یعنی دل تو پہلے ہی اللہ رب العزت کی محویت میں غرق تھا جب وہ روح کے مرتبہ تک پہنچا تو فنا ہو گیا پھر روح کو سر کا درجہ ملا تو وہ فنائے تام کے درجہ تک پہنچی تو پھر سرِّ خفی اور اخفیٰ کے مرتبہ تک پہنچا تو کبھی دنا کے ذریعے مولیٰ کو دیکھا تو کبھی فتدلّٰی کے ذریعے قرب کی انتہائی نصیب ہوئی، آخر کار مشاہدہ اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا: " وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى " (النجم، ۱۳) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا "۔

سفر معراج میں تاجدار کائنات ﷺ کے ہر لطیفے کو قرب الٰہی نصیب ہوا اور وہ دیدار الٰہی کی لذت دوام سے ہم کنار ہوا جب سب مراحل طے پا گئے تو حضور ﷺ اس حال میں کرۂ ارضی کی طرف لوٹے کہ ہر ہر لطیفے میں مولیٰ کا قرب اور اس کے دیدار کی لذتیں سما چکی تھیں۔

سفر معراج اپنے تین مراحل میں: (۱) سفر معراج کا پہلا مرحلہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا ہے اور یہ زمینی سفر ہے۔ یہ چوں کہ انسانی دنیا کا حصہ ہے اور ذہن انسانی میں

اس کی تفہیم نسبتاً آسانی سے ممکن ہے اس لیے اسے تفصیل سے بیان کیا گیا حتیٰ کے سفر کے احوال، واقعات اور اس کی حقانیت پر دلائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) سفر معراج کا دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک ہے یہ کرۂ ارضی سے کہکشاؤں کے اس پار واقع نورانی دنیا تک کا سفر ہے۔ یہ چوں کہ مخلوق کے حدود کے اندر تھا لہذا اسے بھی بیان کیا گیا مگر تفصیلات نہیں کیوں کہ یہ پوری طرح ذہن انسانی میں آنے والا نہ تھا۔

(۳) سفر معراج کا تیسرا مرحلہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے قاب قوسین بلکہ اس سے بھی آگے تک کا ہے چوں کہ یہ سفر محبت اور عظمت کا سفر تھا اور یہ ملاقات محب اور محبوب کی خاص ملاقات تھی لہذا اس روداد محبت کو راز میں رکھا گیا۔ سورۃ النجم میں فقط اتنا فرمایا کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو جو راز اور پیار کی باتیں کرنا چاہیں وہ کرلی (اب کسی کو اس سے کیا غرض کہ کیا باتیں ہوئیں) جب کہ اس مقام پر فرمایا: " اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ " (بنی اسرائیل، آیت:۱)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ نہیں بتایا کہ دیکھنے اور سننے والا کون ہے؟ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات بھی ہو سکتی ہے اور حضور ﷺ کی ذات بھی ہو سکتی ہے۔ (یہ معنی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر روح المعانی میں بیان کیا ہے گویا اس کے دو معانی ہوئے)

(۱) بے شک اس مقام پر فقط اللہ ہی تھا جو پیار بھرے انداز میں اپنے محبوب ﷺ کا مکھڑا تکنے والا تھا اور جو اپنے حبیب ﷺ کی میٹھی میٹھی زبان سے اس کی عرض داشت سننے والا تھا۔

(۲) بے شک اس مقام پر حضور ﷺ ہی تھے جو اپنے رب تعالی کے حسنِ بے نقاب کے جلوے میں مشغول تھے اور اللہ تعالی کے ارشادات اور پیار بھری باتیں سننے والے تھے۔

یہ وہ مقام تھا جہاں سفر محبت و عظمت اپنے مقصود کو پانے والا تھا جس کا مخلوق سے کوئی تعلق ہی نہ تھا لہذا ان کے بتانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کبھی وہ سننے والا اور یہ سنانے والا اور کبھی یہ دیکھنے والا اور وہ دیکھا جانے والا تھا اور یہی معنیٰ امام صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لیا ہے وہ فرماتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے اللہ تعالی نے اپنی زبان حکمت سے حضور ﷺ کی تعریف بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ واضح ہو کہ آپ ﷺ کا مقام کتنا بلند ہے نیز حضور ﷺ کی عظمتوں کا حال معلوم ہو سکے۔

عارف الرائی فرماتے ہیں: وان قابلت لفظة لن ترانی بما کذب الفؤاد فھمت معنیٰ فموسیٰ خرّ مغشیا علیہ واحمد لم یکن لیزیغ ذھنا" **اگر تو** لن ترانی **اور** ما کذب الفؤاد مارأی **کا آپس میں مقابلہ کرے تو تیری سمجھ میں آجائے گا کہ حقیقت کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے جب کہ حضور ﷺ کی چشم اقدس بھی دنگ نہ ہوئی** (الصاوی علی الجلالین، ج ۴، ص: ۱۳۷)

دو کمانوں کا استعارہ: محبت اپنی زبان خود تخلیق کرتی ہے۔ اظہار محبت کسی لفظ کا بھی مرہون منت نہیں ہوتا چشم بے تاب سارا حال کہہ دیتی ہے، محبت کے تقاضوں میں ایک یہ

بھی ہے کہ تعلق اتنا گہرا ہو کہ دو کا ذکر کرنا ہو تو اس طرح کیا جائے جیسے ایک ہی کا ذکر ہے حتی کہ غیریت کا تصور تک مٹ جائے مثلاً قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: " ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى " اس آیت میں دو افعال ہے مگر کسی ایک فاعل کا بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اب اس میں مختلف صورتیں ممکن ہیں:

(۱) دونوں کا فاعل اللہ ہو، اگر دونوں کا فاعل اللہ ہو تو مفہوم یہ ہوا کہ پھر اللہ قریب ہوا پھر اللہ تعالیٰ مزید قریب ہوا۔ (۲) اور اگر دونوں کا فاعل حضور ﷺ کو بنایا جائے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا پھر حضور ﷺ قریب ہوئے پھر مزید قریب ہوئے " دنٰی " کا فاعل حضور ﷺ کو اور "تدلّٰی" کا فاعل اللہ رب العزت کو بنایا جائے۔ یہی معنی زیادہ قرین قیاس ہے۔

ظاہر ہے کہ پہلا قریب تو آنے والا خود ہی چاہتا ہے مگر مخلوق کو محدود ہونے کے سبب سے کسی نہ کسی حد پر رک ہی جانا تھا تو باقی رہنے والے فاصلے کو مٹانے کے لیے اور قرب کی حدوں کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ آگے بڑھا جو غیر محدود ہے۔

اس کی تائید امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: جب حضور ﷺ آگے پہنچے تو رب کائنات نے ارشاد فرمایا: ٹھہر جاؤ اے محمد! ﷺ بے شک تمھارا رب قریب ہوتا ہے اب رہی یہ بات کہ اللہ کس قدر قریب ہوا تو اس کا جواب اس آیت کریمہ سے بخوبی ملتا ہے: " فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى " (النجم پارہ ۲۷، آیت: ۹)

معراج بلا شبہ حضو ﷺ کا زندہ معجزہ ہے یہ معجزہ براہِ راست اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی عظمت و رفعت اور حقیقت کسی بھی فرد بشر کی سمجھ بوجھ عقل و خرد اور فہم و

فراست کی پرواز سے بلند اور بہت ہی بلند ہے حتیٰ کہ کسی کے لیے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

مراحلِ سفرِ معراج: حقیقت معراج کے چند گوشے بیان کرنے کے بعد اب ہم مختلف احادیث مبارکہ کی روشنی میں واقعہ معراج کی تفصیلات بیان کرتے ہیں:

مرحلہ اولیٰ: بیت اللہ سے بیت المقدس تک۔ سفر معراج سفر محبت بھی ہے بیت اللہ سے بیت المقدس اس سفر مقدس کا پہلا مرحلہ تھا، یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے اور متعدد طرق و اسناد اور تفصیلات کے ساتھ منقول ہے نیز تابعین نے بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضور ﷺ حطیم کعبہ میں آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر تاجدار کون و مکاں ﷺ کو بیدار کیا آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ملاقات کے لیے بلایا ہے جب حضور ﷺ بیدار ہوئے تو جبرئیل امیں نے حضور ﷺ کا سینۂ اقدس حلق سے لے کر ناف تک چاک کیا اور پھر قلب اطہر کو نکالا۔ اللہ تعالیٰ نے ملأ اعلیٰ سے ایک طشت کے اندر اپنے خصوصی انوار و تجلیات اور حکمت بھیجے تھے ان انوار و تجلیات سے حضور ﷺ کے قلب اطہر کو دھویا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ آب زمزم سے دھویا گیا۔ تاکہ حضور ﷺ کا قلب اطہر سفر معراج شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذاتی انوار و تجلیات کے فیض کو کما حقہ جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ پھر حضور ﷺ کی بارگاہ میں سواری پیش کی گئی جو قد کے اعتبار سے گوش دراز سے اونچی اور خچر سے نیچی تھی، اس کا رنگ چمکدار اور سفید جس کا نام براق تھا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے: " عن مالك بن صعصعة قال : «قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بينا أنا في الحجر - وفي رواية - في الحطيم بين النائم واليقظان إذ أتاني آت فشق ما بين هذه إلى هذه

فاستخرج قلبي فغسله ثم أعيد ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار أبيض يقال له البراق فحملت عليه
" (روح المعانی، ج۱۵، ص:۵)

ترجمہ: مالک بن صعصعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حجرہ میں نینداور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھا کہ اتنے میں میرے پاس آنے والا (فرشتہ) آیا اس نے میرا سینہ یہاں سے یہاں تک چاک کیا پھر میرے دل کو نکال کر غسل دیا پھر دوبارہ اندر رکھ دیا پھر ایک سواری لائی گئی جو خچر سے چھوٹی اور گوش دراز سے بڑی، اس کا رنگ سفید تھا جس کا نام براق تھا تو مجھے اس پر سوار کرایا گیا۔ جب حضور ﷺ کو اس پر سوار کیا گیا تو خوشی سے رشک کرنے لگی کہ آج اسے سیاح لامکاں حضور ﷺ کی سواری ہونے کا لازوال اعزاز حاصل ہو رہا ہے، براق اس سعادت عظمیٰ پر وجد میں آگیا اس پر جبرئیل علیہ السلام نے اس سواری سے فرمایا رک جا۔ اللہ تعالی کی عزت کی قسم! تجھ پر جو سوار بیٹھا ہے آج تک تجھ پر ایسا سوار نہیں بیٹھا۔ حضور ﷺ کو براق پر سوار کرا کے بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا براق کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ جہاں تک اس کی نظر پڑتی وہاں تک اس کا قدم پڑتا تھا۔

سفر معراج کے پہلے مرحلے پر سفر جاری تھا کہ حضور ﷺ کا گزر حضرت موسی علیہ السلام کی قبر انور کی قریب سے ہوا تو آپ نے دیکھا کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنی قبر انور میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انبیا صف بصف حضور ﷺ کے استقبال کے لیے کھڑے تھے جب یہ مقدس قافلہ بیت المقدس پہنچا تو باب محمد حضور ﷺ کے استقبال کے لیے کھلا تھا، جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے دروازے کے قریب ایک پتھر میں سوراخ کیا اور براق کو اس سے باندھ دیا، پھر حضور ﷺ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپ ﷺ کی تعظیم اور اکرام واحترام میں منتظر تھے، انہیں حضور ﷺ کی امامت

میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

مرحلۂ ثانیہ: (بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک) انبیائے کرام حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کر کے ادب و احترام مصطفی ﷺ سے مشرف ہو چکے تو آسمانی سفر کا آغاز ہوا۔ اس لیے کہ ہر زمینی عظمت حضور ﷺ کے قدموں کا بوسہ لے چکی تھی۔ پہلے آسمان پر پہنچ کر آسمان کے دروازے پر دستک دی گئی بوّاب پہلے سے منتظر تھا آواز آئی کون؟ جبرئیل امیں نے جواب دیا: میں جبرئیل ہوں آواز آئی آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا محمد ﷺ آج کی رات آسمان پر پذیرائی بخشی جائے گی، آسمان اول کا دروازہ کھل گیا اور پوچھنے والے نے حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی۔ مرحبا یا سیدی یا مرشدی۔" فانطلق بي جبريل حتى أتى السماء الدنيا فاستفتح، قيل من هذا؟ قال: جبريل. قيل: ومن معك؟ قال: محمد قيل: وقد أرسل إليه؟ قال: نعم. قيل: مرحبا به، فنعم المجيء جاء " (تفسیر بغوی، ج۳، ص:۹۳)

پھر حضور ﷺ آسمانوں کی طرف بڑھے اور جب آسمان دنیا پر آئے تو دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی کون؟ جبرئیل امیں نے کہا: جبرئیل پھر کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ، پھر پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا ہاں، آواز آئی خوش آمدید! کتنا اچھا آنے والا آیا ہے۔ حضور ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی انہیں بتایا گیا کہ یہ آپ کے جلیل القدر فرزند ہیں اور ختم المرسلین ہیں اور یہی حضرت محمد ﷺ ہیں، یہی کل انبیا کے سرتاج ہیں، حضور ﷺ نے دادا جان کہہ کر آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں سلام پیش فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے سلام کا جواب بھی عرض کیا اور عظیم فرزند کو دعاؤں سے بھی نوازا۔

اس کے بعد مہمان عرش حضور ﷺ کو دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا، آسمان اول کی طرح بواب نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھولا یہاں حضور ﷺ کی ملاقات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور یحیٰ علیہ السلام سے ہوئی اس یادگار ملاقات اور آسمان کے ملکوتی مشاہدات کے بعد حضور ﷺ کو تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ تیسرے آسمان پر حضور ﷺ کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے کرائی گئی، تیسرے آسمان کے مشاہدات نورانی کے بعد حضور ﷺ کو چوتھے آسمان پر پہنچایا گیا، چوتھے آسمان پر حضور کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے کرائی گئی، اسی طرح پانچویں اور چھٹے آسمان پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چشمان مقدس اشک بار ہوگئی حضور ﷺ کی عظمت و رفعت کو دیکھ کر رشک کے آنسو چھلک پڑے، آپ کے زبان اقدس سے بے اختیار نکلا کہ خدائے بزرگ و برتر کے یہ وہ برگزیدہ رسول ہیں کہ جن کی امت کو میری امت پر شرف عطا کیا گیا ہے، یہ وہی رسول برحق ہیں جن کی امت کو میری امت کے مقابلے میں کثرت کے ساتھ جنت میں داخل کیا گیا ہے۔

دیدار مصطفی ﷺ کے لیے ملائکہ کا ہجوم در ہجوم: مشاہدات آسمانی کے نوارنی جلووں کے بعد تاجدار کائنات ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا یہ وہ مقام عظیم ہے جہاں آکر ملائکہ حتیٰ کہ انبیا و رسل کی بھی پرواز ختم ہوجاتی ہے جہاں مقرب فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں گویا ملاقات کا سارا نظام اور عالم امکان کی ساری بلندیاں سدرۃ المنتہیٰ پر ختم ہوجاتی ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کا مقام اولیٰ عالم امکان کی آخری حد اور لامکاں کا ابتدائی کنارہ ہے۔

تفسیر در منثور میں ایک مقام پر یہ حدیث نقل کی گئی ہے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا

مانگتے تھے کہ اے کائنات کے مالک! جس محبوب ﷺ کی خاطر یہ کائنات تخلیق فرمائی، جس پر تو اپنی زبان قدرت سے درود پڑھتا ہے اور ہم بھی تیرے حکم کی تعمیل میں اس ہستی پر درود وسلام کا نذرانہ بھیجتے ہیں آج وہی مہمان ذی وقار تشریف لا رہے ہیں۔ اے مولیٰ! ہمیں اپنے رسول محتشم ﷺ کا بے نقاب جلوہ عطا فرما، اللہ پاک نے ان مقرب ملائکہ کی دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا گیا کہ تم ساری کائنات آسمانی سے سمٹ کر اس درخت یعنی سدرۃ المنتہٰی پر بیٹھ جاؤ، فرشتے ہجوم در ہجوم امنڈ پڑے، فرشتوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ وہ درخت ان کے نور کے سائے میں آ گیا۔ استأذنت الملائكة الرب تبارك وتعالى أن ينظروا إلى النبيّ ﷺ فأذن لهم فغشيت الملائكة السدرة لينظروا إلى النبيّ ﷺ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کی زیارت کی خواہش کا اظہار کیا تو انہیں اجازت دے دی گئی تو فرشتوں نے سدرہ (بیری کے درخت) کو اپنی سے کثرت سے چھپا لیا تاکہ نبی کریم ﷺ کی زیارت کر سکے۔ (در منثور، ج، ۶ص:۱۱۶)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: " اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (النجم، پ، ۲۷، آیت: ۱۶) جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا " سدرۃ المنتہٰی کے مقام عظیم پر قدسیان فلک کو مہمان ذی وقار کے دیدار، فرحت آثار کا لازوال شرف حاصل ہوا۔

رخ مصطفی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

جب مہمان عرش اعظم پر جلوہ گر ہونے کے لیے آگے بڑھنے لگے تو جبرئیل امیں رک گئے حضور ﷺ نے فرمایا: جبرئیل چلو، جبرئیل امیں نے عرض کیا: "لو دنوت انملة لاحترقت" اگر میں ایک چیونٹی برابر بھی آگے بڑھا تو تجلیات الٰہی کے پرتو سے جل جاؤں گا۔

سدرہ سے آگے یکتا و تنہا: اس مقام پر حضور ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی حضور ﷺ نے جنت کے احوال کا مشاہدہ فرمایا اور وہاں کی نعمتوں کی زیارت فرمائی، حضور ﷺ جب سفر معراج کی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے تو جبرئیل اور براق ساتھ نہ تھے، آپ ﷺ یکتا و تنہا ہی اپنے خالق کائنات کے اذن سے روانہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مہمان عرش کی سواری کے لیے ایک سبز رنگ کا ملکوتی اور نورانی تخت بھیج دیا جس کا نام رفرف تھا، حضور ﷺ کو عرش معلیٰ تک پہنچا دیا گیا جب سدرۃ المنتہیٰ کی منزل گزر چکی جب فرشتوں کا استقبال پیچھے رہ گیا تو آگے ایک نور تھا اور دیکھنے والے کو اس نور کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جب حضور ﷺ کو اس نور میں غائب کر دیا گیا تو دیکھنے والی آنکھ آپ کو دیکھنے سے قاصر تھی اب کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ نور کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں سے ہے؟ کہاں تک ہے؟ کہاں جانے والا ہے؟ اس حصار نور میں داخل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے عرش معلیٰ کی سیر کی۔ اس کے بعد مہمان مکرم کو بڑی عزت و قار اور تمکنت کے ساتھ آگے لے جایا گیا۔

مرحلۂ ثالثہ: (سدرۃ المنتہیٰ سے وصال الٰہی تک) سفر معراج کا نکتۂ عروج ہے یہاں سے سفر کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے، آگے ایک عالم نور تھا، انوار و تجلیات الٰہی پُر فشاں تھے، اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی تجلیات سے بھرپور، عالم لامکاں کے جلوے ہر سو جلوہ ریز تھے، مہمان عرش حضور ﷺ کو تن تنہا ان جلووں میں داخل کر دیا گیا۔ سب سے پہلے اللہ پاک کے اسماء کے پردے ایک ایک کر کے گزرتے رہے اور ہر اسم مبارک کے رنگ سے حضور ﷺ کو گزارا گیا، حضور ﷺ عالم بیداری میں تھے لہذا اس عجیب سی کیفیت کو دیکھ کر بتقاضائے بشریت کچھ معمولی سی وحشت بھی محسوس فرمانے لگے جیسا کہ انسان اکثر لمحات

تنہائی میں محسوس کرتا ہے جیسے ہی حضور ﷺ کے قلب اطہر پر یہ کیفیت وارد ہوئی تو اللہ تعالی کی طرف سے آواز آئی: "قف یا محمد ﷺ" بے شک تمھارا رب قریب آرہا ہے۔

سفر وصال: معجزۂ معراج میں یہاں تک کا سفر سفرِ محبت وعظمت تھا اب یہاں سے آگے سفر وصال شروع ہوتا ہے، سفر

معراج کے اس مرحلے پر مہمان عرش حضور ﷺ مقام قاب قوسین پر پہنچ گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى "پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اُتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

یہاں توجہ طلب بات یہ ہے کہ دو قوسوں پر بات ختم نہیں کی بلکہ قرب اور بعد کے تمام جھگڑے ختم کرنے کے لیے تمام حدوں کو توڑ دیا، تمام فاصلے مٹا دیے، تمام فاصلے یکسر ختم کر دیے سوائے ایک فرق کے کہ وہ خدا تھا۔ خدائے وحدہ لاشریک اور یہ اس کے محبوب بندے اور رسول تھے، وہ خالق تھا اور یہ مخلوق۔ لہذا ارشاد ہوتا ہے: " فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى" اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے محب اور محبوب کے درمیان تنہائی کی ملاقات میں جو باتیں ہوئی ان کا بیان بھی نہیں فرمایا لہذا محب اور محبوب میں کیا کیا باتیں ہوئیں اس کلام کی حقیقتوں کی کسی کو کچھ خبر نہیں۔ حضور ﷺ نے فقط اتنا فرمایا کہ جب ملاقات ہوئی تو خالق کائنات نے فرمایا: " السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته "اے نبی تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہو۔ حضور پر نور ﷺ نے رحمت کے اس پیغام کے جواب میں عرض کیا: " السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين"

سلام ہم پر اور اللہ تعالی کے نیک بندوں پر۔ (معارج النبوۃ، ج۳، ص:۱۴۹)

اور پھر واپسی پر حضورِ رحمت عالم ﷺ کو امت کے لیے پچاس وقت کی نمازوں کا تحفہ عطا کیا گیا جسے لے کر آپ ﷺ اللہ تعالی کی ذاتی و صفاتی تجلیات اور تمام فیوض و برکات سمیٹ کر واپس کرہ ارضی کی طرف پلٹے۔

صحیح بخاری صحیح مسلم و دیگر کتب احادیث میں تفصیل کے ساتھ معجزۂ معراج کا ذکر ملتا ہے، واپسی کے دوران چھٹے آسمان پر جب حضرت موسی علیہ السلام سے حضور ﷺ کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسی علیہ السلام نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کی بارگاہ سے اپنی امت کے لیے کیا تحفہ لائے ہیں؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے میری امت کے لیے پچاس نماز یومیہ عطا کی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میں نے اپنی امت پر بہت محنت و مشقت کی تھی جس سے حاصل ہونے والے تجربہ کے نتیجے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ ﷺ واپس تشریف لے جائیے اور اللہ کی بارگاہ میں نمازوں میں تخفیف کی درخواست کیجیے ، یارسول اللہ ﷺ آپ کی امت پچاس نمازوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ حضور ﷺ نے اس مشورے پر عمل کیا اور وہاں سے پلٹے اور رب تعالی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور امت کے لیے پچاس نمازوں میں کمی کی استدعا کی۔

اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق اس مرتبہ پانچ نمازیں کم ہوئی، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو موسی علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بوجھ بھی زیادہ ہے۔ حضور ﷺ پھر واپس ہوئے تو اللہ تعالی نے مزید پانچ نمازوں کی کمی عطا فرمادی یہ سلسلہ چلتا رہا اور حضور ﷺ نوبار اللہ تعالی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔

صدیوں کا سفر چشم زدن میں: صدیوں پر محیط سفر معراج چشم زدن میں طے ہو گیا براق پر مکہ معظمہ میں واپسی ہوئی، صحن حرم میں تشریف لائے پھر تہجد کے وقت اٹھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: فاستیقظت وانا بالمسجد الحرام (ملأ اعلیٰ اور ملکوتی مشاہدے سے وارد شدہ استغراق کی کیفیت سے) واپس پلٹا تو میں مسجد حرام میں تھا۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفی، ج،۱ص:۲۴۶)

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس: معجزۂ معراج کے ظہور سے ایوان کفر و شرک کا لرز اٹھنا ایک فطری امر تھا۔ چناں چہ ہر طرف شور مچ گیا، فتنۂ و شر کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی کا اس سے زریں موقع کفار و مشرکین کے ہاتھ کہاں سے آتا؟ ان کفار نے دعوی معراج کو بنیاد بناکر مخالفین اسلام نے ایک منظم سازش کا منصوبہ بنایا، یہ لوگ ہر وقت اس تلاش میں رہتے تھے کہ کسی طرح حضور ﷺ کے کسی دعوے کو جھوٹا ثابت کر سکیں۔ اس لیے ابو جہل اور دیگر بد بختوں نے واقعۂ معراج کو اپنے لیے بہت بڑی دلیل سمجھا اور وادئ مکہ میں شور برپا کر دیا، ہر طرف اپنے نمائندے بھیجے، شہر مکہ کی گلی کوچوں میں ایک خلجان و خلش پیدا ہو گیا کہ حضور ﷺ نے یہ کیا دعویٰ کر دیا؟ ابو جہل بھاگا بھاگا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آج میں پوچھتا ہوں کہ تو اس نبی کے دعویٰ پر ایمان لاتا ہے؟ اب بتا تو کیا کہتا ہے؟ کیوں کہ آج تیرے دوست نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ تو کبھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو گا جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی زبانی دعوئ معراج سنا تو مسکرا کر ارشاد فرمایا میں تو اس سے بڑی باتیں حضور ﷺ کی زبان مقدس سے سن کر خالق کائنات کو مان چکا ہوں یہ سب باتیں تو

اس سے بہت کم درجے کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسول سے تصدیق کیے بغیر سفر معراج کی تصدیق کر دی۔ اسی صبح آپ رضی اللہ عنہ "صدیق اکبر" (یعنی سب سے بڑا تصدیق کرنے والا) کے لقب سے ملقب ہوئے۔(تفسیر ابن کثیر)

علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کی جسارت: کفار و مشرکین ابو جہل کی قیادت میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے اور سفر معراج خصوصا بیت المقدس کے بارے میں الٹے سیدھے سوالات کرنے لگے مقصد یہ تھا کہ اللہ کے نبی کی کسی بات کو (معاذ اللہ) جھوٹ ثابت کیا جائے اور پھر اس مفروضے کو بنیاد بنا کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبردست منفی پروپیگنڈہ مہم کا آغاز کیا جائے۔ بعدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ بیت المقدس کے در و دیوار، چھتوں، دروازوں اور کھڑکیوں کی کیفیات بیان کریں یہ سوال انہوں نے اس بنا پر کیا تھا کہ وہ اپنے طور پر فرض کیے بیٹھے تھے کہ اس سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیت المقدس نہیں گئے وہ ان سوالات کے جوابات کیسے دے پائیں گے؟ اب ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی عمارت کی سیر کرتا ہے تو اس کے دروازوں اور کھڑکیاں تو نہیں گنا کرتا، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لحہ بھر تو انقباض کی کیفیت طاری ہوئی اس پر اللہ رب العزت نے بیت المقدس کا ہر عکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش فرما دیا۔ چنان چہ بیت المقدس کے بارے میں جوبات مشرکین مکہ پوچھتے جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر بتاتے جاتے کہ بیت المقدس کی در و دیوار میں کیا کیا نصب ہیں۔

مخبر صادق حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے بارے میں کفار و مشرکین مکہ کے ہر سوال کا درست جواب دے رہے تھے، جب اسے اپنی اس سازش میں ناکامی کی

صورت دکھائی دینے لگی تو کہنے لگا کہ ہمارے بعض قافلے اس راہ پر گئے ہیں کچھ ان کے بارے میں بتائیں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں نے تمھارا پہلا قافلہ "روحا" کے مقام پر دیکھا تھا اس قافلے کی قیادت فلاں قبیلے کا فلاں شخص کر رہا تھا، پھر ایسا ہوا کہ اس قافلے کا ایک اونٹ گم ہوگیا وہ لوگ وہاں رک کر اپنے اونٹ کی تلاش میں گئے تھے جب میں وہاں پہنچا تو مجھے پیاس لگی تو میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ کے پالان کے ایک پیالے میں پانی پڑا ہے میں نے اتر کر اس پانی کو پی لیا، جب میں روانہ ہونے لگا تو مذکورہ شخص اونٹ کو تلاش کر واپس پہنچا تو میں نے جاتے ہوئے اسے سلام کیا تو قافلے والوں میں بعض نے کہا: یہ تو محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز ہے۔ جب قافلے والے واپس آئیں تو ان سے دریافت کر لینا۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خواب میں پیا ہوا پانی اس قابل نہیں ہوتا کہ پوچھا جائے کہ پیالے میں پانی تھا یا نہیں اور پھر یہ کہ آواز رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پہچان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفر حالت خواب میں نہیں بلکہ عالم بیداری میں تھا۔ پھر تاجدار کون و مکاں نے فرمایا: جب میں مقام ذی "فجا" پر پہنچا تو وہاں مجھے دوسرا قافلہ ملا، اس قافلے میں اونٹ پر فلاں فلاں نامی دو دوست سوار تھے جب میرا براق ان کے قریب سے گزرا تو وہ اونٹ بدک کر بھاگا اور وہ دونوں اس سے گر پڑے اور اس حادثے میں ایک کا ہاتھ ٹوٹ گیا جب قافلے والے آئیں تو ان سے ان کا حال پوچھ لینا۔ پھر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: میں نے "تلوین" کے مقام پر ایک تیسرا قافلہ دیکھا۔ کفار و مشرکین نے اس قافلے کے بارے میں کوئی علامت پوچھی تو تاجدار کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اس کے آگے ایک بھورے رنگ کا اونٹ ہے، اس پر دو بوریاں لدی ہوئی ہے ایک سیاہ دھاری دار دوسری سفید دھاری دار، جب وہ قافلہ واپس

آئے تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔

کفار مکہ نے سوچا کہ تینوں دلائل قوی ہیں لہذا جاتے ہوئے کہنے لگا کہ اتنا اور بتا دیجیے کہ وہ قافلہ کب تک مکہ پہنچ جائے گا؟ اس پر آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا: پہلا قافلہ کل سورج طلوع ہونے سے پہلے مکہ پہنچ جائے گا اور دوسرا قافلہ اس وقت مکہ پہنچے گا جب سورج عین نصف النہار پر ہوگا، جب کہ تیسرے قافلے کی آمد کا وقت سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ہے۔(المواہب اللدنیہ، ج،۲ص:۴۰)

ابھی جملہ بھی مکمل نہیں ہوپایا تھا کہ قافلوں کی آمد کا وقت سن کر کافروں کا ایک گروہ مکہ معظمہ کی سب سے اونچی پہاڑی پر جاکر بیٹھ گیا اور سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگا ۔دوسری طرف مسلمان بھی اپنے آقا کے ارشادات کو حرف بحرف سچ ثابت ہوتا دیکھنے کے لیے گردِ کارواں کی تلاش میں تھے ، جب سورج طلوع ہونے کا وقت قریب آیا تو ایک کافر بآواز بلند بولا خدا کی قسم! سورج طلوع ہوگیا، ابھی یہ جملہ مکمل نہ ہوپایا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکار اٹھے وہ دیکھیے قافلہ بھی پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کفار کہنے لگے کہ ہم کچھ نہیں مانتے یہ تو جادو ہے۔ایسا ہی معاملہ دوسرے قافلے کے ساتھ بھی ہوا جو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق نصف النہار پر پہنچا۔

خورشید فلک یہیں رک جا: تیسرے قافلے کو راستے میں کوئی حاجت پیش آگئی لہذا اسے تاخیر ہوگئی، سورج غروب ہونے کے قریب تھا لیکن قافلے کی آمد کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے، اس پر کفار و مشرکین چہ می گوئیاں کرنے لگے، غیرت حق جوش میں آئی سورج کو حکم ہوا کہ یہیں رک جا جب تک وہ قافلہ نہ پہنچ جائے۔تجھے غروب ہونے کی اجازت نہیں،

حکم الٰہی پاکر سورج افق کے کناروں پر رکا رہا، وقت گزرتا رہا، حتیٰ کہ قافلہ نمودار ہوگیا اس پر کفار سے جب کچھ نہیں بن پڑا تو کہنے لگا ہم نہیں مانتے یہ تو جادو ہے۔ (الشفا، ج۱، ص:۲۸۴)

معراج النبی ﷺ کی تصدیق ایک یہودی عالم کی زبانی: سفر معراج کی قدم قدم پر اغیار کے حوالے سے تصدیق و توثیق ہو رہی تھی، لیکن جن دلوں پر کفر کے تالے پڑے تھے انہیں سورج کی روشنی کیا نظر آتی۔ وہ معجزات رسول اکرم ﷺ پر جادو کا لیبل لگا کر اپنے کفر کو تسکین دے لیتے۔

آج صدیاں گزر جانے کے بعد جب سائنسی ارتقا اپنی معراج کو چھو رہا ہے، کائنات کی بے کراں وسعتیں حضور ﷺ کے نقوش کفِ پا کی تصدیق کر رہی ہے۔

کتب حدیث اور کتب تفسیر میں ایک یہودی عالم کا واقعہ بھی درج ہے، خاص طور پر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر اور امام ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوہ میں بیان کیا ہے کہ محمد بن کعب الکربی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابی دحیہ کلبی کو قیصر روم کی طرف اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ آپ نے اس عیسائی بادشاہ کو دعوت اسلام پہنچائی اور آقائے دوجہاں ﷺ کے فضائل و مناقب بیان کیے۔ تو اس نے کہا میں عرب کے تاجروں سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے حضور ﷺ کے حالات بیان کرنے کو کہا گیا۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح بادشاہ کی نظروں میں حضور ﷺ کا درجہ کم ہوجائے اور وہ حضور ﷺ کو ماننے سے انکار کردے۔ لیکن محتاط بھی رہا کہ کسی جھوٹ پر پکڑا نہ جاؤں۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے قیصر روم! میں تمھیں اس نبی کی ایک بات بتاتا ہوں جسے سن کر (معاذ اللہ) تجھے اس کے جھوٹے

ہونے کا یقین ہو جائے گا اور یہ کہہ کر واقعۂ معراج بیان کیا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچا کہ اس نبی نے کہا کہ میں براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچا جہاں باب محمد میرے لیے کھلا تھا، وہاں پتھر سے براق کو باندھا گیا تھا تو قیصر روم کے دربار میں موجود دنیائے عیسائیت کے سب سے بڑے پادری نے کہا تجھے اس رات کی کیا خبر ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرا معمول تھا کہ میں ہر رات مسجد اقصیٰ کے دروازے اپنے ہاتھوں سے بند کر کے سویا کرتا تھا۔ اس رات جب میں اس دروازے پر پہنچا تو وہ بند نہ ہوا۔ میں نے اپنے کئی ساتھیوں کو بلایا اور ان سب نے مل کر زور لگایا مگر پھر بھی دروازہ بند نہ ہوا، حتیٰ کہ مستری (تالا بنانے والا) کی ساری کوششیں بے کار گئی لہذا فیصلہ یہ ہوا اب اسے کھُلا چھوڑ کر سو جائے۔ صبح اٹھ کر اسے بند کردیں گے، پادری کہتا ہے خدا کی قسم! اس رات میں دروازہ کھُلا چھوڑ کر سو گیا لیکن ساری رات سوچتا رہا یہ کیا ماجرا ہے؟ جب علی الصبح میں نے دروازہ بند کرنا چاہا تو وہی دروازہ جو رات کو بند نہ ہوا تھا اس وقت بآسانی بند ہو گیا۔ میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ میری نظر دروازے کے باہر پتھر پر پڑی تو اس پر سواری کے باندھنے کا نشان تھا۔ اس پتھر کے بارے میں تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا تھا: لما انتهينا إلى بيت المقدس قال جبريل بإصبعه فخرق بها الحجر وشد به البراق " جب ہم بیت المقدس پہنچے تو جبرئیل نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو اس پتھر میں سوراخ ہو گیا، پھر جبرئیل نے اس کے ساتھ براق باندھا۔ (ترمذی)

وہ یہودی عالم کہتا ہے: میں نے اس کیفیت کو دیکھا تو مجھے پرانی الہامی کتابوں میں پڑھا ہوا یہ واقعہ یاد آ گیا جو ہم انبیا کی زبانی سنتے آئے ہیں کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ کا زمانہ آئے گا تو انہیں سفر معراج پر بلایا جائے گا اور وہ اس رات بیت المقدس آ کر انبیا کی امامت

کریں گے اور اس پتھر پر ان کی سواری باندھی جائے گی، میں سمجھ گیا کہ آج نبی ﷺ کی معراج کی رات ہے۔ ابوسفیان اپنے بیان میں سچا ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں نے یہ سنا تو میرے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے کہ عالم عیسائیت کا بڑا پادری بھی اپنی مخالفت کے باوجود سفر معراج کی حقانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

امام ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ وہ پتھر ان کے زمانے تک موجود رہا۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم لوگ آج بھی سواری باندھی جانے والی جگہ پر ہاتھ لگا کر برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ، ص:۲۸۸)

ادھر سے کون گزرا تھا کہ اب تک — دیار کہکشاں میں روشنی ہے

محمد شمشیر رضا قادری اکڈنڈی سیتامڑھی

۸/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۷/نومبر ۲۰۱۸ء بروز سنیچر

9815154649:۔Abuanam18@gmail.com

اردو کی عظمت پہ سو جان سے قربان

(محمد سرفراز احمد مصباحی)

انسان کا سب سے بڑا تخلیقی کارنامہ زبان ہے۔ہم دراصل زبان کے ذریعے اپنی ہستی کا اور اس رشتے کا اقرار کرتے ہیں جو انسان نے کائنات اور دوسرے انسانوں سے قائم کر رکھے ہیں۔انسان کی ترقی کا راز بھی بہت سا حصہ زبان میں پوشیدہ ہے کیونکہ علم کی قوت کا سہارا زبان ہی ہے۔

اردو زبان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندی، فارسی اور عربی کی تمام آوازیں موجود ہیں۔اردو کے حروفِ ہجا ان تینوں زبانوں کے حروفِ ہجا سے مل کر بنے ہیں۔تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان میں دوسری زبانوں کے لفظوں اور محاوروں کو اپنانے کی بڑی صلاحیت ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اردو کا رسم الخط ابتدا سے فارسی ہے۔

اردو زبان کو انیسویں صدی کی ابتدا تک ہندی، ہندوی، دہلوی، ریختہ، ہندوستانی، دکنی اور گجراتی غرض مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ محققین نے جب ملک کی سب مقبول زبان جو شمالی ہند کے علاوہ دکن حتیٰ کہ مدراس اور بنگال میں بولی اور سمجھی جاتی تھی، انگریزوں کو سکھانے کا ارادہ کیا تو اس زبان کو ۱۷۸۷ء میں "ہندوستانی" کا نام دیا۔

اردو الفاظ کا درست استعمال: جانوروں کے بچہ کو ہم بچہ ہی کہتے ہیں :مثلاً: سانپ کا بچہ ،الو کا بچہ، بلّی کا بچہ لیکن اردو میں ان کے لیے جدا جدا لفظ ہیں: مثلا بکری کا بچہ: میمنا بھیڑ کا بچہ: برّہ، ہاتھی کا بچہ پاٹھا، الّو کا بچا: پٹھا، بلّی کا بچہ بلونگڑہ، بچھیرا: گھوڑی کا بچہ، کٹڑا: بھینس کا بچہ، چوزا: مرغی کا بچہ، برنوٹا: ہرن کا بچہ، سنپولا: سانپ کا بچہ اور گھٹیا: سور کا بچہ۔

اسی طرح بعض جانداروں اور غیر جانداروں کی بھیڑ کے لیے خاص الفاظ مقرر

ہیں جو اسم جمع کی حیثیت رکھتے ہیں : مثلاً طلبا کی جماعت، پرندوں کا غول، بھیڑوں کا گلہ ،بکریوں کا ریوڑ، گووں کا چونا ،مکھیوں کا جھلڑ، تاروں کا جھرمٹ یا جھومر ،آدمیوں کی بھیڑ ،جہازوں کا بیڑا ،ہاتھیوں کی ڈار، کبوتروں کی ٹکڑی، بانسوں کا جنگل ،درختوں کا جھنڈ، اناروں کا کنج ،بدمعاشوں کی ٹولی ،سواروں کا دستہ، انگور کا گچھہ، کیلوں کا گہل ،ریشم کا لچھا، مزدوروں کا جتھا، فوج کا پرّا، روٹیوں کی ٹھپی، لکڑیوں کا گٹھا، کاغذوں کی گڈی، خطوں کا طومار، پانوں کی ڈھولی، کلابتوں کی کنجی۔

اردو کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ہر جانور کی صوت کے لیے الگ الگ الفاظ ہیں: مثلا شیر ڈھارتا ہے ،ہاتھی چنگھاڑتا ہے ،گھوڑا ہنہناتا ہے ،گدھا ہیچوں ہیچوں کرتا ہے ،کتا بھونکتا ہے ،بلی میاؤں کرتی ہے، گائے رانبھتی ہے ،سانڈ ڈکارتا ہے ،بکری ممیاتی ہے ،کویل کوکتی ہے ،چڑیا چوں چوں کرتی ہے ،کوا کائیں کائیں کرتا ہے ،کبوتر غٹرغوں کرتا ہے ،مکھی بھنبھناتی ہے ،مرغی کڑکڑاتی ہے، الو ہوکتا ہے ،مور چنگھاڑتا ہے ،طوطا رٹ لگاتا ہے مرغا ککڑوں کوں کرتا ہے ،پرندے چہچہاتے ہیں ،اونٹ بغبغاتا ہے، سانپ پھونکارتا ہے ،گلہری چٹچٹاتی ہے ،مینڈک ٹرّاتا ہے ،جھینگا جھینگارتا ہے ،بندر گھگیاتا ہے۔

کئی چیزوں کی آواز کے لیے مختلف الفاظ ہیں: مثلا بادل کی گرج، بجلی کی کڑک ،ہوا کی سنسناہٹ ،توپ کی دنادن ،صراحی کی گٹ گٹ ،گھوڑے کی ٹاپ ،روپیوں کی کھنک ،ریل کی گھڑ گھڑ ،گویوں کی تاتاری ری، طبلے کی تھاپ، طنبورے کی آس، گھڑی کی ٹک ٹک، چھکڑے کی چوں اور چکی کی گھمر وغیرہ

ان اشیا کی خصوصیت کے لیے ان الفاظ پر غور کریں: موتی کی آب ،کندن کی دمک، ہیرے

کی ڈلک ،چاندنی کی چمک ، گھنگھرو کی چھُن چھُن ،دھوپ کا تڑاکا ،بو کی بھبھک ،عطر کی لپٹ ،پھول کی مہک۔

مسکن کے متعلق مختلف الفاظ جیسے: بارات کا محل ،بیگموں کا حرم ،رانیوں کا انواس،پولس کی بارک ،رشی کا آشرم ،صوفی کا حجرہ ،فقیہ کا تکیہ یا کٹیا ،بھلے مانس کا گھر ،غریب کا جھونپڑا ،بھڑوں کا چھتا ،لومڑی کی بھٹ پرندوں کا گھونسلہ ،چوہے کا بل ،سانپ کی بانبی ،فوج کی چھاؤنی،مویشی کا کھڑک،گھوڑے کی تھان وغیرہ۔(ماخوذاز "فن خطابت "مصنف شورش کشمیری)

اردو کی حیرت انگیزیاں:ذیل میں اردو کے کچھ الفاظ دیے جا رہے ہیں جن کو الٹا کر کے پڑھیں تو معانی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جیسے: بارش = شراب،مالک = کلام،سیب = بیس،سر = رس،رانا = انار،تاریخ = خیرات،لاش = شال،ایک = کیا،انیس = سینا،ماما = امام،شرط = طرش،اویس = سیوا،بیج = جیب،راز = زار،نام = مان،انور = رونا،اناج = جانا،روز = زور،بات = تاب،بابر = رباب،مرچ = چرم،چین = نیچ،ناپ = پان،بابرا = ارباب،رات = تار،موچ = چوم،دال = لاد،ریما = امیر،ریت = تیر،شور = روش ڈال = لاڈ،ریشم = مشیر،شوخ = خوش،شام = ماش،رش = شر،فرح = حرف،لوگ = گول،ناک = کان،شک = کش،لات = تال = وغیرہ۔

کچھ الفاظ ایسے بھی ہیں جنہیں الٹا پڑھو تو تلفظ وہی رہتا ہے۔ جیسے: نادان, تبت, موم, ٹاٹ, میم, لال, بلب, نان۔ لفظ درد کو الٹا جائے تو درد ہی بنتا ہے۔ اسی تعلق سے ایک شعر ہے۔

میں سراپا درد ہوں جس پہلو پے پلٹو درد ہوں۔

مادری زبان اردو پر مختلف شعرا کے منتخب اشعار

ہم ہیں تہذیب کے علمبردار	ہم کو اردو زبان آتی ہے	(محمد علی ساحل)
بات کرنے کا حسیں طور طریقہ سیکھا	ہم نے اردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا	(منیش شکلا)

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو	کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے	(داغؔ دہلوی)
وہ کرے بات تو ہر لفظ سے خوشبو آئے	ایسی بولی وہی بولے جسے اردو آئے	(احمد وصی)
اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ	سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے	(داغؔ دہلوی)
وہ عطر دان سا لہجہ مرے بزرگوں کا	رچی بسی ہوئی اردو زبان کی خوشبو	(بشیر بدر)
سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں	ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں	(نامعلوم)
میرا ہر شعر ہے اک راز حقیقت بیخوؔد	میں ہوں اردو کا نظیرؔی مجھے تو کیا سمجھا	(بیخود دہلوی)
اردو جسے کہتے ہیں تہذیب کا چشمہ ہے	وہ شخص مہذب ہے جس کو یہ زباں آئی	(روش صدیقی)
اردو سے ہو کیوں بیزار انگلش سے کیوں اتنا پیار	چھوڑو بھی یہ رٹا یار ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل اسٹار	(انور مسعود)
میری اللہ سے بس اتنی دعا ہے راشدؔ	میں جو اردو میں وصیت لکھوں بیٹا پڑھ لے	(راشد عارفی)
شہد و شکر سے شیریں اردو زباں ہماری	ہوتی ہے جس کی بولی میٹھی زباں ہماری	(الطاف حسین)
وہ بولتا ہے نگاہوں سے اس قدر اردو	خموش رہ کے بھی اہل زباں سا لگتا ہے	(نامعلوم)
مرے بچوں میں ساری عادتیں موجود ہیں میری	تو پھر ان بد نصیبوں کو نہ کیوں اردو زباں آئی	(منور رانا)
حرف گونگے گمان سے پہلے لفظ عاجز بیان سے پہلے	کیسے کرتے تھے لوگ حیرت ہے بات اردو زبان سے پہلے	(نامعلوم)

اردو زبان کی اس قدر شیرینی، لطافت، ندرت، جدت اور سلاست کے باوجود اس کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا گیا، ان اسباب و دواعی کو ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں:

اُردو زُبان کا خون کیسے ہوا اور ذمہ دار کون ہے؟ یہ ہماری پیدائش سے بہت پہلے کی بات ہے جب مدرسہ کو اسکول بنا دیا گیا تھا، لیکن انگریزی زبان کی اصطلاحات دورانِ تعلیم استعمال نہیں ہوتی تھیں۔ صرف چند انگریزی کے الفاظ مستعمل تھے، مثلاً" ہیڈ ماسٹر، فِیس، فیل، پاس اور جمعرات کو لاسٹ ورکنگ ڈے (کیوں کہ اُن دِنوں اتوار کی بجائے جمعہ کے دن سرکاری چھٹی ہوتی تھی) کہا جاتا تھا اس دن آدھی چھٹی یعنی ہاف ڈے ہوتا تھا۔ اب زمانہ، مزاج تعلیم بدلی تو، انگلش میڈیم اسکول میں پیپر اور سرکاری اسکول میں پرچہ کہا جاتا

تھا پھر استاد کو سر کہا جانے لگا۔ اور سارے اساتذہ ٹیچرز بن گئے۔ پھر عام بول چال میں غیر محسوس طریقے سے اردو کا جو زوال شروع ہوا وہ اب تک جاری ہے۔ اب تو یاد بھی نہیں کہ کب جماعت، کلاس میں تبدیل ہوگئی۔ اور جو ہم جماعت تھے وہ کب کلاس فیلوز بن گئے۔ ہمیں بخوبی یاد ہے کہ اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم، نہم، دہم، جماعتیں ہوتی تھیں، اور کمروں کے باہر لگی تختیوں پر اسی طرح لکھا ہوتا تھا۔ پھر ان کمروں نے کلاس روم کا لباس اوڑھ لیا۔ اور فرسٹ سے ٹینتھ کلاس کی نیم پلیٹس لگ گئیں۔ تفریح کی جگہ ریسیس اور بریک کے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ گرمیوں کی چھٹیوں اور سردیوں کی چھٹیوں کی جگہ سمر ویکیشن، اور ونٹر ویکیشن، آگئیں۔

چھٹیوں کا کام چھٹیوں کا کام نہ رہا بلکہ ہولیڈے ہوم ورک ہوگیا۔ پہلے پرچے شروع ہونے کی تاریخ آتی تھی اب پیپرز کی ڈیٹ شیٹ آنے لگی۔ امتحانات کی جگہ ایگزامز ہونے لگے۔ ششماہی اور سالانہ امتحانات کی جگہ مڈ ٹرم اور فائنل ایگزامز کی اصطلاحات آگئیں۔ اب طلبا امتحان دینے کیلیے امتحانی مرکز نہیں جاتے بلکہ سٹوڈنٹس ایگزام کیلیے ایگزامینیشن سینٹر جاتے ہیں۔ قلم، دوات، سیاہی، تختی، اور سلیٹ جیسی اشیاء گویا میوزیم میں رکھ دی گئیں ان کی جگہ لَیڈ پنسل، جیل پین اور بال پین آگئے۔
کاپیوں پر نوٹ بکس کا قبضہ ہوگیا۔ نصاب کو کورس کہا جانے لگا اور اس کورس کی ساری کتابیں بستہ کے بجائے بیگ میں رکھ دی گئیں۔ ریاضی کو میتھس کہا جانے لگا۔ اسلامیات اسلامک سٹڈی بن گئی۔ انگریزی کی کتاب انگلش بک بن گئی۔ اسی طرح طبیعیات، فزکس، میں معاشیات، اکنامکس میں سماجی علوم، سوشل سائنس میں تبدیل ہوگئیں۔

پہلے طلبہ پڑھائی کرتے تھے اب اسٹوڈنٹس سٹڈی کرنے لگے۔ پہاڑے یاد کرنے والوں کی اولادیں ٹیبل یاد کرنے لگیں۔ اساتذہ کیلیے میز اور کرسیاں لگانے والے، ٹیچرز کے لیے ٹیبل اور چیئرز لگانے لگے۔ داخلوں کی بجائے ایڈمشنز ہونے لگے۔ اول، دوم، سوم آنے والے طلبہ فرسٹ، سیکنڈ، اور تھرڈ آنے والے اسٹوڈنٹ بن گئے۔ پہلے انعام ملا کرتے تھے پھر پرائز ملنے لگے۔ بچے تالیاں پیٹنے کی جگہ چیئرز کرنے لگے۔ یہ سب کچھ سرکاری سکولوں میں ہوا ہے۔

باقی رہے پرائیویٹ اسکول، ان کا تو پوچھیے ہی مت۔ ان کاروباری مراکز کیلیے کچھ عرصہ پہلے ایک شعر کہا گیا تھا۔

مکتب نہیں دکان ہے یہ خام مال کی ... مقصد یہاں پہ علم نہیں روزگار ہے

اور تعلیمی اداروں کا رونا ہی کیوں رویا جائے، ہمارے گھروں میں بھی اردو کو یتیم اولاد کی طرح ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔ زنان خانہ اور مردانہ تو کب کے ختم ہو گئے۔ خواب گاہ کی البتہ موجودگی لازمی ہے تو اسے ہم نے بیڈ روم کا نام دے دیا۔ باورچی خانہ کچن بن گیا اور اس میں پڑے برتن کراکری۔ غسل خانہ پہلے باتھ روم ہوا پھر ترقی کر کے واش روم بن گیا۔ مہمان خانہ یا بیٹھک کو اب ڈرائنگ روم کہتے ہوئے فخر محسوس کیا جاتا ہے۔ پہلی منزل کو گراونڈ فلور کا نام دے دیا گیا اور دوسری منزل کو فرسٹ فلور۔ اسی طرح دروازہ ڈور کہلایا جانے لگا اور پہلے گھنٹی بجتی تھی اب ڈور بیل بجنے لگی۔ کمرے روم بن گئے۔ کپڑے کی الماری کے بجائے کپبورڈ میں رکھے جانے لگے۔ "ابو جی" یا "ابا" جیسا پیارا اور ادب سے بھرپور تخاطب دقیانوسی لگنے لگا، اور ہر طرف ڈیڈی، ڈیڈ، پاپا، پپّا، پاپے کی گردان لگ گئی حالانکہ پہلے

توپاپے صرف کھانے کے لئے ہوا کرتے تھے اور اب بھی کھائے ہی جاتے ہیں-اسی طرح شہد کی طرح میٹھا لفظ "امی" یا امی جان "ممی" اور موم میں تبدیل ہوگیا۔ سب سے زیادہ نقصان رشتوں کی پہچان کا ہوا۔ چچا، چچی، تایا تائی، ماموں ممانی، پھوپھا پھوپھی، خالو خالہ سب کے سب ایک غیر ادبی اور بے احترام سے لفظ "انکل اور آنٹی" میں تبدیل ہوگئے۔ بچوں کے لیے ریڑھی والے سے لے کر سگے رشتہ دار تک سب انکل بن گئے یعنی محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے۔

ساری عورتیں آنٹیاں۔ چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بہنیں و بھائی سب کے سب کزنس میں تبدیل ہوگئے نہ رشتے کی پہچان رہی اور نہ ہی جنس کی۔ بس ایک نام تبدیلی کے زد سے بچ گیا، کام کرنے والی پہلے بھی ماسی تھی اب بھی ماسی ہے۔

گھر اور اسکول میں اتنی زیادہ تبدیلیوں کے بعد بازار انگریزی کی زد سے کیسے محفوظ رہتا۔ دکانیں شاپس میں تبدیل ہوگئیں اور ان پر گاہکوں کی بجائے کسٹمرز آنے لگے آخر کیوں نہ ہوتا کہ دکان دار بھی تو سیلز مین بن گئے جس کی وجہ سے لوگوں نے خریداری چھوڑ دی اور شاپنگ کرنے لگے۔ سڑکیں روڈز بن گئیں۔ کپڑے کا بازار کلاتھ مارکیٹ بن گئی یعنی 'اس نے کس ڈھب سے مذکر کو مونث بنادیا۔ کرانے کی دکان نے جنرل اسٹور کا روپ دھار لیا اور نائی نے باربر بن کر حمام بند کردیا (جہاں شان سے حمام گرم ہے کی تختی آویزاں رہتی تھی) اور ہیئر کٹنگ سیلون کھول لیا۔

ایسے ماحول میں دفاتر بھلا کہاں بچتے۔ پہلے ہمارا دفتر ہوتا تھا جہاں مہینے کے مہینے تنخواہ ملا کرتی تھی اب آفس بن گیا اور منتھ ٹو منتھ سیلری ملنے لگی۔ جو صاحب تھے وہ باس بن گئے۔

اسرار حق

بابو کلرک اور چپراسی پی این بن گئے۔ پہلے دفتر کے نظام الاوقات لکھے ہوتے تھے اب آفس ٹائمنگ کا بورڈ لگ گیا۔

سود جیسے قبیح فعل کو انٹرسٹ کہا جانے لگا۔ طوائفیں آرٹسٹ بن گئیں اور محبت کو "لو" کا نام دے کر محبت کی ساری چاشنی اور تقدس ہی چھین لیا گیا۔ محبوب بوائے فرینڈ اور محبوبہ گرل فرینڈ بن گئی۔ صحافی رپورٹر بن گئے اور خبروں کی جگہ ہم نیوز سننے لگے۔ کس کس کا اور کہاں کہاں کا رونا رویا جائے۔

اردو زبان کے زوال کی صرف حکومت ہی ذمہ دار نہیں، عام آدمی تک نے اس میں حتی المقدور حصہ لیا ہے۔ اور دکھ تو اس بات کا ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس تک نہیں کہ ہم نے اپنی خوبصورت زبان اردو کا حلیہ مغرب سے مرعوب ہو کر کیسے بگاڑ لیا۔ وہ الفاظ جو اردو زبان میں پہلے سے موجود ہیں اور مستعمل بھی ہیں ان کو چھوڑ کر انگریزی زبان کے الفاظ کو استعمال کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔ے

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہم کہاں سے کہاں آ گئے اور کہاں جا رہے ہیں؟ دوسروں کا کیا رونا روئیں، ہم خود ہی اس کے ذمہ دار ہیں. دوسرا کوئی نہیں، اور بہت سے اردو الفاظ کو مسلمانوں نے انگریزی قبرستان میں دفن کر دیا... دفن کرتے جا رہے ہیں۔ اب تو بات چیت میں انگریزی کا لفظ کثرت سے استعمال ہونے لگا۔

(اقتباس از پاسبان علم وادب)

محمد سرفراز احمد مصباحی، اکڈنڈی، پریہار، سیتامڑھی (بہار)

۱۱/ربیع الغوث ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ

9598315181/9771212589sarfarazmuj@gmail.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عرس کی شرعی حیثیت

(محمد بشیر احمد مصباحی)

قرب قیامت کے آثار دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں بد عقیدگی کا ایک طوفان عظیم برپا ہے۔ جو اہل اسلام کو اپنے ساتھ بہالے جانے کے درپے ہے ہر شخص مذہبی احکام کو اپنی عقل کی کسوٹی پر جانچنا چاہتا ہے نئے نئے مجتہدین آئے دن مسلمانوں پر نئے نئے فتوے لگاکر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن رہے ہیں اور مسلمانوں کو مشرک کہنے اور ان میں باہمی منافرت پھیلانے کا وبال اپنے سر لے رہے ہیں۔

باب نبوت ہمیشہ کے لیے بند ہوجانے کے بعد فیضان الٰہیہ کی ترسیل و اجرا کے نظام کو جاری و ساری رکھنے کے لیے اللہ تعالی نے اپنے محبوب اور مقرب اولیائے کرام کا سلسلہ جاری فرما دیا یہ اولیائے کرام در مصطفی ﷺ کی خیرات عوام الناس میں تقسیم کرنے اور انہیں اللہ تعالی کی بارگاہ کا راستہ دکھانے پر متعیّن ہے۔ان سے فیض حاصل کرنا حکم ربانی کی تعمیل ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتا ہے:وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ " اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمھاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں ۔(کنزالایمان،سورہ الکہف،پ:۱۵،آیت:۲۸)

اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ تک رسائی کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا:اے لوگوں !تم میرے ان بندوں سے ناطہ جوڑ لو جو صبح و شام میری یاد میں لگے رہتے ہیں اور میرے ذکر میں ان کے شب و روز عالم سرشاری میں بسر ہوتے ہیں،پھر فرمایا:اے لوگوں !میرے ان بندوں سے اپنی نگاہیں نہ ہٹانا اور انہیں کبھی بنظر تحقیر نہ دیکھنا ورنہ اللہ تعالی

تم سے اپنی نگاہیں ہٹا لے گا اور تمھارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا نیز فرمایا: وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا" اور اس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔ خبر دار ان لوگوں کی اطاعت نہ کرنا جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اگر تم ان کا کہا مانو گے اور ان کے پیچھے چلو گے تو تم ہم سے دور ہو کر خائب و خاسر ہو جاؤ گے۔ ان آیات بینات سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ معرفت و قرب الٰہی اور وصال باللہ کے لیے اللہ کا حکم ہے کہ اس کے ان بندوں سے قلبی تعلق، صحبت اور معیت اختیار کی جائے جو فیض نبی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح نبی کی ذات بابرکات فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اسی طرح گروہ اولیا بھی فیضان نبوت حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اہل سنت کے نزدیک بزرگان دین یعنی اولیاء اللہ کے اعراس جائز اور صدہا فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ ہے، اگرچہ یہ طریقہ بدعت ہے لیکن ہر بدعت کا سنت کے خلاف کہہ کر ناجائز کہہ دینا یہ فرقہائے باطلہ (وہابیہ، دیابنہ) کا کام ہے ورنہ تو وہ بدعت حرام اور ناجائز ہے جو صراحتاً قرآن و احادیث کے مخالف ہو اگر بدعت قرآن و حدیث کے مضامین کے موافق یا ان سے اس کا اشارہ یا کنایہ مل جائے تو وہ بدعت حسنہ کہلاتی ہے۔

اس قاعدہ پر ہزاروں مسائل اور احکام اسلام میں موجود ہیں۔ یہاں عرس سراپا قدس کے لیے بھی یہی قاعدہ ہے کہ یہ کسی آیت و حدیث کے خلاف نہیں بلکہ قرآن و احادیث کے مضامین کے عین مطابق ہے۔

قرآن مجید میں حضرت یحیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالی فرماتا ہے:

" وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيا"اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوااور جس دن مرے گااور جس دن مردہ اٹھایا جائے گا۔(کنزالایمان،سورہ مریم،آیت:۱۵)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا:وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا" اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔ (مریم،آیت:۳۳)

ان آیت مبارکہ میں وقت وفات کو سلامتی کے ساتھ ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ یوم وفات انبیاو اولیابعد والوں کے لیے یادگار ہے،اسی یادگار کادوسرا نام عرس ہے۔

عرس کا لغوی و اصطلاحی مفہوم: عرس کا لغوی معنی شادی ہے اسی لیے عربی میں دولہا اور دولہن کو عروس کہا جاتا ہے۔اور اصطلاح مشائخ میں اولیاو علما اور بزرگوں کے یوم وفات کو عرس کہتے ہیں۔اس لیے کہ یہ دن اس کا محبوب سے ملنے کا دن ہے اور حدیث پاک میں بھی اس کو ایسے وصال پر عروس سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مشکوۃ شریف باب اثبات عذاب القبر فصل ثانی میں ہے: جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں :نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظ الا احب اھلہ الیہ" تو اس دولہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ چوں کہ اللہ والوں کا یوم وصال ان کے لیے دلہن بننے کے طرح ہوتا ہے،نیز نکیرین نے ان کو عروس کہا۔اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا،یا اس لیے کہ وہ جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دن ہوتا ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں تمام عالم انہیں کے ورود مسعود سے ہیں اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ

دن عرس سراپا قدس کہلایا۔

مشائخ کرام کا معمول ہے کہ خاص اسی دن اولیاء اللہ کی قبروں پر بصورت اجتماع حاضر ہوتے ہیں جہاں تلاوت قرآن مجید یا وظائف واذکار پڑھ کر، صدقات وخیرات کر کے ان کی روح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ گویا شریعت مطہرہ کے چند امور کے مجموعے کا نام عرس ہے۔(۱)ولی اللہ کے یوم وفات کو عرس کہنا(۲) سال کے بعد یوم معین کو مزار پر حاضری (۳)مزارات کی زیارت کے لیے سفر کرنا(۴)بصورت اجتماع حاضر ہوکر قرآن خوانی، محافل ذکر ووعظ وغیرہ(۵)خیرات وصدقات کے طور پر ایصال ثواب کرنا۔ ولی اللہ کا یوم وفات خود ولی کامل کے لیے ہزاروں شادیوں کا مجموعہ ہے کہ وہ دار المصائب والتکالیف سے نجات پاکر دار السرور کو پہنچے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے: ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ ، قَالَ : الْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلاَئِكَةُ ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا ، قَالُوا : اخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ ، اخْرُجِي حَمِيدَةً ، وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ ، وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ ، فَلاَ يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذَلِكَ حَتَّى تَخْرُجَ ، ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ ، فَيُفْتَحُ لَهَا ، فَيُقَالُ : مَنْ هَذَا ؟ فَيَقُولُونَ : فُلاَنٌ ، فَيُقَالُ : مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ ، ادْخُلِي حَمِيدَةً ، وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ ، وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ ، فَلاَ يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذَلِكَ حَتَّى يُنْتَهَى بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي فِيهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ “ **حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میت کے یہاں ملائکہ آتے ہیں اگر وہ نیک ہے تو اس سے کہتے ہیں اے وہ نفس مطمئنہ جو پاک جسم میں تھی حمد کی ہوئی اور راحت وریحان کے ساتھ داخل ہو اور خوش ہو کہ تیرا رب تجھ سے ناراض نہیں، اسی طرح اسے بار بار کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں، پھر پوچھا جاتا ہے یہ کون ہیں ؟**

فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں ہیں، اسے خوش آمدید کہا جاتا ہے کہ یہ روح پاک جسم میں تھی حمد کی ہوئی اور راحت وریحان کے ساتھ داخل ہوا اور خوش ہو کہ تیرا رب تجھ سے ناراض نہیں، اسی طرح بار بار کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ روح وہاں پہنچتی ہے جہاں اللہ تعالی کا حکم جاری ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ، باب الزھد)

حضور ﷺ نے فرمایا: جب بندے کا دنیا سے رخصتی اور آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سفید چہرے والوں کے جیسے سورج روشن ہوتا ہے نازل ہوتے ہیں ان کے پاس جنت کا کفن اور لوبان ہوتا ہے وہ میت کے پاس بیٹھتے ہیں جہاں تک نگاہ پڑتی ہے فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں، پھر ملک الموت آکر اس کی روح نکالتے ہیں لیکن وہ فرشتے ملک الموت کے پاس پل بھر نہیں چھوڑتے بلکہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ امتی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سا بڑا خوشی کا دن ہوگا کہ آج کے دن قبر میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی اسی لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بوقت وفات کہتے تھے: انا القی محمّد او حبتہ "میں محمد ﷺ اور آپ کے دوستوں سے ملوں گا۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ : السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ، فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ، والخلفاء الاربعۃ ھکذا کانوا یفعلون" رسول پاک ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ہر سال کے شروع میں شہدا کی قبروں پر تشریف لے جاتے پھر فرماتے تم پر سلامتی ہو اس چیز کے بدلے جس پر تم نے صبر کیا تو تمھارے لیے آخرت میں اچھا ٹھکانہ ہے، راوی بیان کرتے ہیں خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول تھا۔

(تفسیر طبری، ج، ۱۲، ص: ۵۱۳)

عرس کے موقع پر اجتماع کا منعقد کرنا، لوگوں کا ایسی تقریب سعید میں جانا، علما و خطبا کی تقاریر سننا یہ سب کچھ سنت رسول ﷺ و سنت صحابہ ہے، نیز احادیث مبارکہ سے بھی ہمیں یہی تعلیم ملتی ہے خود حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں، کھانے یا شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں۔ یہ قسم حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اگرچہ مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں اس لیے کہ اس قسم میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ مردوں کے ساتھ ساتھ زندوں کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ، ص: ۵۰، ۴۹)

شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں: مولوی عبد الحکیم صاحب کو جواب دیتے ہوئے یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے علاوہ کسی دوسری چیز کو فرض نہیں جانتا، البتہ صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب، تلاوت قرآن، تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا باجماع علما اچھا ہے۔ اور اس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جائے اچھا ہے۔ (جاء الحق)

اعراس کے فوائد: علامہ احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عقل بھی چاہتی کہ عرس بزرگان دین عمدہ چیز ہو۔ اولا تو اس لیے کہ عرس زیارت قبور اور صدقات و خیرات کا مجموعہ ہے، زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت۔ لہٰذا دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیوں کر ہو سکتا ہے۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا اب ضرور زیارت کیا کرو۔ (بخاری)

اس سے ہر طرح کی زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد، خواہ تنہا زیارت کی جائے یا جمع ہو کر۔ اب اپنی طرف اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے، سال کے بعد مقرر کر کے زیارت کرنا منع ہے محض لغو ہے۔ معین کر کے ہو یا بغیر تعین کے ہو ہر طرح جائز ہے۔

دوم اس لیے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمۂ طیبہ اور اورادو وظائف کرتے ہیں، بہت سی برکات جمع ہوتی ہیں، مزارات کی حاضری سے بزرگوں کے ساتھ عقیدت وانس میں اضافہ ہوتا ہے، اس سے ان کے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ بسا اوقات صاحب مزار کی توجہ خاص سے دینی و دنیوی امور آسانی سے حل ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعض خوش بختوں کو ولایت کی منازل بھی طے ہو جاتی ہے، جیسے حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے ولایت کاملہ نصیب ہوئی۔

اولیاء اللہ مزارات میں خوش حال اور ہر غم و حزن سے مامون و محفوظ ہیں، ان کے یہاں حاضری سے کتنے فوائد مرتب ہوں گے اور وہ صدقہ و خیرات، استغفار اور دعا سے خوش ہو کر زائرین کو کتنا نوازتے ہوں گے۔

سوم اس لیے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی اور آپس میں محبت بڑھتی ہے

چہارم اس لیے کہ طالبان حق کو پیر کامل تلاش کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اگر کسی عرس میں پہنچیں تو وہاں مختلف جگہوں کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں، علما اور صوفیا کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کرے۔ آخرج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں، اس میں بھی فوائد مذکورہ ملحوظ ہیں۔

صالحین کے مزارات سے استمداد: قبور صالحین سے استمداد طریقۂ حقہ ہے سلف سے آج تک مروج اور ثابت ہے۔ اولیائے کرام کے وسیلۂ جلیلہ سے مشکلات حل ہوتی ہے اور یہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چند روایات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

محدث طبرانی اور احمد ابن حنبل اور امام بغوی نقل فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا: ان الله سيدفع بالمسلم الصالح عن مأة اہل بيت من جيرانہ البلاء "اللہ تعالیٰ ایک نیکو کار مسلمان کے سبب اس کے پڑوس کے ایک سو گھروں سے بلائیں دفع فرماتا ہے۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ "الابدال فی امتی ثلاثون بھم تقوم الارض وبھم تمطرون وبھم تنصرون " میری امت میں تیس ابدال ہیں ان کے طفیل زمین قائم ہے اور ان کے وسیلے سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور ان کے سبب سے تمہیں نصرت ملتی ہے۔

وكان خازن عمر رضي الله عنه قال أصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب فجاء رجل إلى قبر النبي ﷺ فقال يا رسول الله أستسق لأمتك فإنه قد هلكوا فأتاه رسول الله ﷺ في المنام فقال ائتي عمر فاقرأه السلام وأخبره أنهم مسقون وقل له عليك الكيس الكيس فأتى الرجل عمر رضي الله عنه فأخبره فبكى عمر ثم قال يا رب ما آلو إلا ما عجزت عنه" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط پڑا تو ایک شخص حضور ﷺ کے مزار

مقدس پر آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ !صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی امت کے لیے سیرابی طلب فرمائیں ،لوگ ہلاک ہو چکے ہیں تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کے پاس جاؤ ان سے میرا اسلام کہنا اور خبر دینا کہ وہ سیراب کر دیے جائیں گے اور ان سے کہنا کہ وہ سمجھداری کو لازم پکڑیں۔ وہ شخص حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے پاس آیا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا تو حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ رو پڑے اور بار گاہ رب العالمین میں عرض کیا اے پرور دگا! میں عمدا کوتاہی نہیں کرتا مگر جس چیز سے عاجز ہو جاؤں۔(خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفی ،ج۱، ص:۴۹)

عرس کی حاضری پر اولیائے کرام کو وسیلہ بنا کر دعائیں مانگی جاتی ہیں جو بحمدہ تعالی اکثر مستجاب ہوتی ہیں اور اولیائے کرام مزارات میں بدستور صاحب تصرف ہیں۔

مزارات اولیا کے لیے سفر: سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لیے سفر کرنا حرام ،جائز کے لیے جائز اور سنت کے لیے سنت ،فرض کے لیے فرض ،حج فرض کے لیے سفر بھی فرض ،کبھی جہاد و تجارت کے لیے سفر سنت ہے۔ کیوں کہ یہ کام خود سنت ہے ۔ روضہ مصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے سفر واجب ہے۔ کیوں کہ یہ زیارت خود واجب ہے ، چوری ،ڈکیتی اور دیگر بری نیتوں کے ارادے سے سفر حرام ہے ، غرض یہ کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ اسی طرح عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر سنت ہے ،لہذا اب اس کے لیے سفر بھی سنت میں ہی شمار ہو گا۔ قرآن کریم میں بہت سے سفر ثابت ہیں:(۱)وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ " جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو

اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا ۔(النساء،آیت:۱۰۰)اس سے سفر ہجرت ثابت ہوا۔

(۲)لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِہِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ اس لئے کہ قریش کو مَیل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی دونوں کے کوچ میں مَیل دلایا۔اس سے سفر تجارت ثابت ہوا۔

(۳) اطلب العلم ولو کان بالصین علم طلب کرو اگر چہ چین جانا اس سے طلب علم کے لیے سفر ثابت ہوا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عن النبی ﷺخرج یوم الخمیس فی غزوۃ تبوک وکان یحب ان یخرج یوم الخمیس حضور نبی کریم ﷺ جمعرات کے دن سفر پر نکلنا پسند فرماتے تھے۔(بخاری)اس سے خاص مقررہ دن کے لیے سفر کرنا ثابت ہوتا ہے۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیا کے لیے سفر کرنا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوا کیوں کہ یہ حضرت روحانی طبیب ہیں ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر حکومت کرتے ہیں ان سے ذوق عبادت اور سلیقۂ بندگی کا پتہ ملتا ہے، ان کے مزارات پر دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں اس لیے اولیائے کرام کی بارگاعالیہ میں فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا درست ہے۔

محمد بشیر احمد مصباحی، مسہا سیتامڑھی

۹/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸ نومبر ۲۰۱۸ء بروز اتوار

9572819760

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خانقاہ اور اس کے اصول و آداب (محمد عرفان چشتی دربھنگوی)

تخلیق آدم سے آج تک خالق کائنات کے برگزیدہ بندے اپنی پوری حیات مقدسہ میں ہر لمحہ اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کے لیے سرگرم رہے۔انبیائے کرام کا ایک سلسلہ ابن آدم کی رہنمائی کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں میں ہر زمانے میں جاری وساری رہا۔یہاں تک کہ کائنات کی سب سے عظیم ذات نبی آخر الزماں ﷺ نے منشائے الٰہی کی تکمیل کی اور دین فطرت، دین اسلام کو تمام عالم انسانیت کی رہنمائی کے لیے پسند کر دیا گیا، خیر اور شر کے درمیان ہمیشہ کے لیے خط امتیاز کھینچ دیا گیا اور انسانوں کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی ذات کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر اس کے پیغام ازلی و ابدی پر رہتی دنیا تک اس کی روح کے مطابق عمل کرنے ہی میں اللہ کی رضا پوشیدہ ہے۔دین متین کی تکمیل کے بعد سیدھے سچے راستے کی مسلسل رہنمائی کے لیے اولیائے کرام کا سلسلہ جاری رہا اور جاری رہے گا۔ یہ نفوس قدسیہ اپنے سیرت و کردار سے اور محبت و اخلاص کے مظاہرے سے بہترین انسان اور سچے مسلمان کا نمونہ پیش کرتے رہے اور جہاں جہاں گئے مقامی لوگوں نے اسلام قبول کیا، وہاں نماز کی ادائیگی کے لیے مساجد کی تعمیر کی گئی اور مسلم معاشرہ میں مساجد کے ساتھ عبادت کا عنصر لازم کر دیا گیا۔دنیا میں جہاں بھی کسی خطہ میں دین اسلام پہنچا تو اولیا ئے کرام کی کاوش اور محبت ہی کی بدولت پہنچا جب بھی کسی ولی کامل نے کسی دور دراز علاقے میں جا کر تبلیغ اسلام کی خاطر ڈیرہ لگایا تو اس ولی کامل کے ارد گرد بہت سے طالبان مولیٰ اکٹھا ہونے لگے۔ان طالبان مولیٰ کی باطنی تربیت کے لیے ایک خاص جگہ تشکیل دی جانے لگی تا کہ شمع کے گرد پروانے آسانی سے اکٹھا ہو سکیں اور دور دراز سے آنے والے طالبان مولی کو

صحبت مرشد میں رہنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع مل سکے۔ اس خاص جگہ کا نام خانقاہ رکھا گیا۔

خانقاہ ہمیشہ مسجد سے الگ لیکن اس کے قریب بنائی جاتی ہے کیوں کہ صوفیائے کرام نے جس ریاضت کو لازم قرار دیا اس کے لیے مساجد ناموزوں تھیں۔

مساجد میں مسلمانوں کی ظاہری تربیت کا نظام موجود ہوتا ہے اور خانقا ہ میں مسلمانوں کو باطنی تربیت کے ذریعے مومن بنایا جاتا ہے۔ یعنی فقرائے کاملین اپنی کامل نگاہ سے طالبان مولی کا تزکیہ نفس فرما کر ان کے دلوں میں ایمان داخل کرتے ہیں۔ خانقاہ میں مسلمان بندے کو اقرار باللسان سے تصدیق بالقلب تک کا سفر طے کرایا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کو مرتبہ احسان پر فائز کر کے بندہ مومن بنایا جائے۔

خانقاہی نظام کی بنیاد بھی حضور سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اصحاب صفہ کو صفہ کی چبوترہ پر اکٹھا کر کے فرمائی تھی، سورہ کہف کی آیت نمبر ۲۸ میں اصحاب صفہ کے متعلق فرماتا ہے: "وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا"

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمھاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور دوسروں پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے اور اس کا کہانہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

عبدالرحمن بن سہل بن حنیف رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس وقت آپ اپنے کسی گھر میں تھے، جب آپ باہر نکلے تو آپ نے

دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ معمولی کپڑا پہنے ہوئے تھے، آپ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے متعلق مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ لازم رکھوں۔ نیز فرمایا کہ آپ دنیوی زندگی کا ارادہ کرتے ہو یعنی اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: آپ ان عبادت گزار مومنوں سے نظر ہٹا کر مالدار مشرکین کی طرف نہ دیکھیں کہ آپ ان کی مجلس میں بیٹھنا چاہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس مشرکین میں سے بڑے بڑے مالدار لوگ آئے انہوں نے آپ کے پاس حضرت خباب، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان لوگوں کو اٹھا دیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے لوگ ایمان لے آئیں پھر ان کی اتباع میں ان کے ماتحت لوگ بھی ایمان لے آئیں گے۔ اس لیے قریب تھا کہ آپ حضرت بلال وغیرہ کو ان کے آنے پر اپنی مجلس سے اٹھا دیتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: " وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمھارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔

جب آپ ﷺ کے ارد گرد ان اصحاب نے اکٹھا ہونا شروع کر دیا جن کی غذا ہی دیدار الہی تھی یعنی جو طالب مولی تھے، ان طالبان مولی کی طلب صرف اور صرف آقائے

دوجہاں ﷺ ہی پوری فرماتے تھے تو قرآن میں یہ حکم ہو گیا کہ اے انسان کامل! حضور ﷺ آپ ان طالبان مولی کے ساتھ ہی رہا کریں جو ہر وقت اللہ تعالی کا چہرہ دیکھنے کے طالب ہیں۔ طالبان مولی کی طلب شدید کو مد نظر رکھتے ہوئے پہلی خانقاہ کی بنیاد پڑی جس کا نام صُفّہ تھا، ان طالبان مولی کو دین اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے جنہوں نے اس تربیت گاہ یعنی کانقاہ اول (صفہ) سے تربیت حاصل کی اور اصحاب صفہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہی وہ پہلی درس گاہ تھی جہاں ان کے قلوب میں ایمان داخل کیا گیا اور پھر اسلام پوری دنیا میں پھیلا۔

اصحاب صفہ کی شان اتنی بلند ہے کہ قرآن پاک میں ان کا ذکر ملتا ہے اور پھر آقائے دوجہاں ﷺ نے بھی اصحاب صفہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا: اے اصحاب صفہ! تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جو کوئی ان خوبیوں پر قائم رہے گا جس پر تم لوگ قائم ہو اور اس حالت پر خوش رہے گا تو وہ یقیناً قیامت کے دن میرا رفیق ہو گا۔ (عوارف المعارف)

یعنی اہل صفہ کو فقر اور اللہ تعالی کی رضا حضور ﷺ کے قرب سے ملی، جوانہوں نے دنیا سے دور ہو کر اور صفہ کے چبوترے پر رہائش اختیار کر کے حاصل کیا اسی قرب سے باطنی خوبیاں اور اعلی ترین اوصاف حاصل کیے اور یہی وہ اوصاف ہے جن کی بدولت آخرت میں آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی ہے۔ موجودہ دور کے طالبان مولی کو بھی فقر، رضائے الٰہی اور اعلیٰ ظاہری و باطنی اوصاف اسی وقت نصیب ہو سکتے ہیں جب وہ کسی ولی کامل کی خانقاہ میں حاضر ہوں اور اس ولی کامل کی صحبت میں کچھ دیر رہ کر اپنا تزکیۂ نفس کروائیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس طرح خانقاہ اول

"صفہ" کے خانقاہ نشیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے بالکل ان کے مشابہ پر اُس دور میں خانقاہ نشیں ہوئے ہیں اور بالکل وہی اعمال دہرائے ہیں جو اعمال اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے تھے یعنی خانقاہ کے اصول و آداب وہی ہیں جو پہلی خانقاہ کے تھے۔ یوں اصحاب صفہ اور موجودہ خانقاہ نشینوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ ہر وقت اپنی خانقاہ میں رہتے ہیں اور اس کی خبر گیری کرتے ہیں گویا خانقاہ ان کا گھر ہے اور وہی ان کا خیمہ ہے جس طرح ہر قوم کے افراد کے گھر ہوتے ہیں اسی طرح صوفیا کے گھر خانقاہیں ہیں۔ پس اس صورت میں وہ اہل صفہ سے مشابہ ہیں۔ اس مشابہت کا مزید ثبوت اس حدیث مبارکہ سے ملتا ہے جو حضرت ابوذرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کی اسناد سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب کوئی شخص مدینۃ الرسول میں باہر سے آتا اور اس کا یہاں کوئی شناسا ہوتا تو اس کے یہاں قیام کرتا اور اگر کوئی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ صفہ پر آجاتا اور یہاں قیام کرتا اور میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اہل صفہ کے ساتھ قیام کیا تھا (عوارف المعارف)

اہل صفہ نے دنیا کے جھمیلوں سے قطع تعلق کر لیا تھا نہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے اور نہ ہی وہ جانور پالتے تھے پس ان کے دلوں سے کینہ مٹ گیا تھا اور حسد رخصت ہو گیا تھا۔ یہی حال اہل خانقاہ کا ہے کہ وہ ظاہر اور باطن میں یک رنگ ہیں باہمی الفت اور محبت میں ان میں یکسانیت ہے، ایک ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی باہمی گفتگو یک رنگی ہے، اختلاف نہیں ہے یعنی اکٹھے گفتگو کرتے ہیں، اکٹھے کھاتے پیتے ہیں اور اجتماعی زندگی کی برکت سے بخوبی واقف ہیں۔

خانقاہ کا نظام تربیت: طالبانِ مولیٰ، طلبِ حق اور مجلسِ محمدی ﷺ کی حضوری کے لیے مرشد کامل کی صحبت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے ہیں ۔ جہاں مرشد کی نورانی صحبت اور پُر تاثیر گفتگو طالبانِ مولیٰ کے باطن کو منور کرکے پاکیزگی اور نور بخشتی ہے لیکن طالب کی دینی و دنیاوی لحاظ سے اصل تربیت خانقاہ میں قیام سے ہی ممکن ہے جہاں بہت سے مریدین اور محبین اپنی تربیت کے لیے قیام پذیر ہوتے ہیں۔جس طرح دنیاوی علوم کی تحصیل کے لیے کسی اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیناضروری ہے اسی طرح طالب مولیٰ کے لیے بھی اپنی باطنی تربیت کے لیے خانقاہ میں قیام کرناضروری ہے اگرچہ یہ قیام مختصر وقت اور چند روز کے لیے ہی ہو۔

خانقاہ کا ماحول سب سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے جہاں طالب مولیٰ دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں سے دور ایک ایسی جگہ قیام پذیر ہوتا ہے جہاں اس کا دھیان غیر اللہ سے موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ خانقاہ میں قیام کے دوران مرشد سے ملاقات کے مواقع بھی میسر آتے ہیں اور مرشد کی نورانی صحبت سے طالب مولیٰ کے دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت عطا کی جاتی ہے، طالب مولیٰ اپنی طلب میں شدت اور عشق حاصل کرتے ہیں ان کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خانقاہ میں دوران قیام بزرگوں اور اسلاف کی روایات سے آشنائی حاصل ہوتی ہے، دین حق کے لیے ان کی جدوجہد اور قربِ حق کے لیے کی گئی محنت سے واقفیت کی بنا پر طالبانِ مولیٰ کے اندر بھی وہی جذبہ اور عشق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے قرب و وصال کے لیے ان کی تڑپ میں اضافہ ہوتا ہے۔

خانقاہ میں قیام کے دوران نفسانی و روحانی بیماریوں مثلا : بغض و کینہ، حسد و تکبر، جھوٹ و چغلی وغیرہ جیسے امراض سے بھی نجات حاصل ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے متعلق پیدا ہونے والے برے خیالات سے بھی جان چھوٹ جاتی ہے اور مثبت سوچ کی طرف بھی رجحان پیدا ہوتا ہے۔

خانقاہ میں اکٹھے ہو کر ایک ہی جگہ لنگر کھایا جائے اور جو کچھ لنگر میں کھانے کے لیے ملے اسے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھا لینا چاہیے کیوں کہ لنگر چاہے جیسا بھی ہو شفا ہی شفا اور نور ہی نور ہوتا ہے، اکٹھے بیٹھ کر کھانا برکت ہے اور اکٹھے مل کر کھانے سے یک رنگی اور مساوات کا درس ملتا ہے۔

خادم خانقاہ کے لیے یہ امر مستحب ہے کہ آنے والے مہمان کے لیے کچھ پیش کرے اسی طرح آنے والے کے لیے یہ بھی مستحب ہے وہ اپنی آمد پر خانقاہ نشینوں کے لیے کچھ پیش کرے۔

منقول ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے آپ ﷺ نے (مہمانی) کے لیے ایک اونٹ ذبح کرایا تھا۔ کبھی کبھار ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ خانقاہ میں نئے آنے والے آداب داخلہ سے کم آگاہ ہوتے ہیں، اس وقت وہ گھبراتے ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کرے، اس لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ اہل خانقاہ ان کے پاس آکر بیٹھے اور ان سے بے تکلفی اور محبت کے ساتھ ملے تاکہ احساس بے گانگی اور آداب سے عدم واقفیت سے جو تحیُّر پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے۔

اہل خانقاہ پر یہ لازم ہے کہ نئے آنے والوں کو خود آداب خانقاہ سے آگاہ کریں، صوفیا کے اعلی

اخلاق میں داخل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خانقاہ میں آنے والے لوگوں سے مراسم صوفیا کی خلاف ورزی ہوجاتی ہے تو اس کو جھڑکنا اور باہر نکال دینا بہت بڑی غلطی ہے، اس لیے کہ بہت سے صالح بندے ایسے بھی ہیں جو آداب خانقاہی سے پوری پوری واقفیت نہیں رکھتے ہیں لیکن وہ خانقاہ میں سچے ارادے اور پوری عقیدت کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اس کو اس کراہت اور نامناسب رویہ سے دنیا و دین کی تباہی کا امکان ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ سختی اور بد کلامی خبث کی علامت ہے جو صوفیا کے حالات کے بالکل منافی ہے ۔اگر خانقاہ میں کوئی ایسا شخص آئے جو اس قابل نہ ہو کہ اس کو رکھا جائے تو اس کو کھانا پیش کرنے کے بعد وہاں سے رخصت کردیا جائے ۔لیکن نرمی اور ادب کے ساتھ ،کیوں کہ ارباب خانقاہ کا یہی طریقہ ہے ۔

خانقاہ نشینوں کے فرائض: حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خانقاہ نشینوں کے فرائض میں داخل ہے کہ مخلوق سے (باطنی)طور سے قطع تعلق کرلیں اور حق کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑیں، ترک کسب (پیشہ)کرکے مسبب الاسباب کی کفالت پر اکتفا کرے، میل جول اور ارتباط سے اپنی نفس کو روکیں، برے کاموں سے اجتناب کریں اور اپنی تمام پچھلی عادتوں کو ترک کے رات دن عبادت میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کی نگہ داری کریں اوراوراد و وظائف میں مصروف رہیں، نماز کی پابندی کریں اور غفلتوں سے خود کو محفوظ رکھیں ۔اگر ان باتوں پر خانقاہ نشیں عمل پیرا ہوجائے گا تو وہ ایک زبردست مجاہد(طالب مولی)بن جائے گا۔(عوارف المعارف)

خانقاہ میں ہر قسم کی غیر شرعی کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے، سگریٹ اور ہر قسم کی نشہ

آور اشیا سے پرہیز کرنا چاہیے،

خانقاہ میں رقص و سرور (ایک قسم کا باجہ) سختی سے ممانعت ہے کہ یہ دنیاوی قبیح اعمال ہے اور طالبان مولی کو ان کی زندگی کے اصل مقصد یعنی معرفت حق تعالی سے روکتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ خانقاہ وہ جگہ ہے جہاں ہر لمحہ خدا کا ذکر ہونا چاہیے اس قسم کے قبیح اعمال خانقاہ کے تقدس کو پامال کرتے ہیں اس لیے طالب مولی کو ہر لمحہ اور ہر جگہ خوف خدا کرتے ہوئے ایسے قبیح اعمال سے پرہیز کرنا لازم ہے، اسے ہر دم یہ خیال رہنا چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کامل کی نگاہ میں ہے لہذا کوئی ایسا عمل سرانجام نہ دے جو اس کی اپنی پکڑ اور مرشد کامل کی دل آزاری کا باعث ہو۔ مرشد کامل کی طرف سے مقرر کردہ خانقاہ کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ اس بات کا سختی سے التزام کرے کہ خانقاہ میں کوئی بھی ایسا عمل نہ ہو جو خانقاہ کے تقدس کی پامالی کا سبب ہو۔

ضرورت شیخ: منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے کسی صاحب عرفان سے نسبت اختیار کرے اس کے روحانی توسل سے معرفت الہی حاصل کرے کیوں کہ جس طرح استاذ کے بغیر کسی ان پڑھ کا خواندہ (پڑھا، لکھا) ہونا دشوار ہے اسی طرح حقانیت معلوم کرنے کے لیے وسیلہ کے بغیر ہاتھ پاؤں مارنا فضول ہے۔

شیخ طریقت معرفت کے چشمہ سے ایسا مصفیٰ پانی دیتا ہے جس سے قلب منور اور تزکیہ نفس ہوتا ہے مرشد کامل کا ذکر اور اس کا تصور انسان کو مقام ناسوت سے مقام لاہوت میں پہنچا دیتا ہے بشرطیکہ مرشد حقیقت میں کامل ہو ورنہ ناقص مرشد تو خود گمراہ ہوتا ہے۔ یعنی پیر کامل سے بیعت کر کے بادشاہِ مرشد حصول معرفت الہی کے لیے ریاضت و مجاہدہ میں

مشغول رہے تا کہ دیدار الٰہی سے مشرف ہو جو شخص بیعت مرشد کا منکر ہے وہ سنت و نصِ قرآنی کا منکر ہے اور یہ سفرِ پُر خطر بغیر رہبر کامل طے نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: " یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجٰہِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ "**اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو رتبے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔**

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: " اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّہُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا " **وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمھارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی شخص اقرب الی اللہ کے لیے وسیلے کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس لفظ کا استعمالِ قرآنی معلوم کرنے کے بعد کسی مسلمان کے لیے شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ مقربین بارگاہ رب العزت ہی کا وسیلہ وہ وسیلہ ہے جس کے حاصل کرنے کی ہدایت اللہ نے قرآن پاک میں فرمائی ہے۔**

حدیث شریف میں ہے: عن عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عمر مَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً مَنْ خَلَعَ یَدًا مِنْ طَاعَۃٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لاَ حُجَّۃَ لَہٗ "**یعنی جو شخص مرگیا اور اس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرگیا اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اٹھائے وہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ سے ملے گا اور اس کے واسطے کوئی حجت نہ ہوگی۔ پس اس راہ پر**

پیر کامل کی دست گیری لازم ہے۔(مسلم شریف)

روح البیان میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: قال أبو يزيد البسطامي قدس سره : من لم يكن له أستاذ فإمامه الشيطان " جس کا کوئی استاذ (پیر طریقت) نہیں پس شیطان اس کا پیشوا ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

یعنی میں خود بھی مولائے روم نہیں بن سکا جب تک میں نے شمس تبریزی کی غلامی اختیار نہیں کی۔

شیخ کامل کی محبت اللہ تعالی کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے، شیخ کامل کے پاس کامیاب نسخہ ذکر الٰہی کی تلقین اور اس کا سلیقہ سکھانا ہے۔ ذکر الٰہی کی کثرت اور شیخ کامل کی صحبت سے انسان کے دل میں اللہ تعالی کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

علاماتِ شیخ کامل: ضرورت شیخ سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ شیخ کامل کون ہوتا ہے اور اس کی علامات کیا ہیں۔ بزرگان دین نے شیخ کامل کی مختصراً یہ چار علامات لکھی ہیں :(۱) متبع شریعت ہو اور کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر سلوک تمام کرکے منازل قرب ،وصال، فنا فی اللہ اور بقا طے کر چکے ہوں۔(۲) جب ان کی صحبت میں بیٹھو تو کم از کم اسوقت کے لیے دل میں اللہ تعالی کی طرف رجوع پیدا ہو۔(۳) ان کے مریدین کو دیکھنا چاہیے کہ ان میں کیا اثر ہوا ہے، یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کی نسبت لازم ہے یا متعدّی یعنی وہ صرف اپنے لیے کامل ہے یا دوسروں کی ہدایت کا کام بھی اس کے سپرد ہوا۔(۴) وہ کریم، رحیم، صابر اور حلیم ہو

، سخت رو، ترش مزاج، تلخ کلام اور بد خلق نہ ہو، دنیا پرست، زینت کا طالب اور حریص نہ ہو۔

آداب شیخ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے ادب فضل حق سے محروم رہتا ہے نیز حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس چھوٹے نے بڑے کا ادب نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں۔ انسان علم و ادب سے بزرگی حاصل کرتا ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ادب تاجیست از فضل الٰہی	بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی
از خدا خواہیم توفیق ادب	بے ادب محروم ماند از فضل رب

ادب خدا کے فضل کا ایک تاج ہے ادب کا تاج سر پر رکھ اور جہاں چاہے جا، ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کیوں کہ بے ادب خدا کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

طالب اور مرید پر لازم ہے کہ اپنے قلب کو ہر طرف سے ہٹا کر پیر کی طرف متوجہ کر لے مرید کُلّی طور پر اپنے پیر کی اقتدا کر لے۔ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، سونے اور عبادت کرنے میں پیر کی پیروی کرے، نماز اس کے طور پر پڑھے اور فقہ کو اس کے عمل سے اخذ کرے، اپنے دل میں مرشد کی محبت اس قدر بڑھائے کہ محبت غیر کا نشان باقی نہ رہے۔ زن، فرزند، مال و حشمت اور طلب مال و دولت حتیٰ کہ اپنی زندگی کی محبت میں حب مرشد میں نیست و نابود ہو جائے۔ پیر و مرشد کے ہر حکم کو سعادت جانے اور اس کو دل و جان سے بجالانے میں کوشاں رہے۔

رابطہ مرشد: جس حد تک رابطہ کو بڑھائیں گے اسی قدر جلد اللہ تک پہنچیں گے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت مرشد کو اپنی نظر میں رکھے اور چہرہ مرشد کو سامنے رکھے کہ میری طرف متوجہ ہیں اور فیض پہنچا رہے ہیں، آداب پیر مرشد کو ہر وقت پیش نظر رکھے ایک لمحہ بھی اس خیال سے خالی نہ رہے کیوں کہ اس راستہ میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آداب ہی سے ہوتا ہے۔ بے ادب گستاخ کی اس راستہ میں گزر نہیں۔ وہ شخص اللہ تعالی کی تمام نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔ اور قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور تمام اولیائے کرام کی یہی ہدایت ہے۔ پیدائش ظاہری اگرچہ والدین سے ہے مگر پیدائش باطنی پیر سے تعلق رکھتی ہے پیدائش ظاہری کی زندگی چند روزہ ہے مگر پیدائش باطنی کی زندگی دائمی ہے۔ پیر مرید کی باطنی ناپاکی کو اپنے قلب وروح سے پاک وصاف کرتا ہے، پیر ہی ہے جس کے ذریعہ اور وسیلہ سے مرید اللہ تک پہنچتا ہے جو کہ تمام سعادات دنیوی واخروی سے بہتر ہے، پیر کے ذریعہ سے نفس امارہ کو (جو بالذات خبیث ہے) اللہ تعالی پاک وصاف کرتا ہے اور اسلام حقیقی سے مشرف فرماتا ہے۔

مرید کا اپنے شیخ کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ میرا مقصود و مطلوب میرے شیخ کے ہاتھ پر ہی حاصل ہوگا اور جب کسی دوسرے شیخ کی طرف توجہ کرے گا تو اپنے شیخ سے محروم ہوجائے گا اور فیض کا دروازہ اس پر بند ہوجائے گا۔ شیخ کے ساتھ دھوکہ بازی، مکروفریب سے دور رہے اور شیخ جن چیزوں کو ناپسند جانے خود بھی ان کو ناپسند کرے۔ شیخ کی مجلس میں آواز پست رکھے کیوں کہ اکابرین کے یہاں شیخ کے حضور آواز بلند کرنا بے ادبی ہے شیخ کے ساتھ گفتگو کے وقت کو پہچانے، ضرورت سے زیادہ گفتگو نہ کرے اور بعد میں شیخ کے جواب کی

طرف مکمل طور پر متوجہ ہو ورنہ کامیابی سے محروم ہو جائے گا اور جو شیخ سے محروم ہو جائے گا کامیابی دوسری دفعہ بہت کم لوٹتی ہے، شیخ جن اسرار کو مخفی و پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو مرید اُن اسرار کو پوشیدہ و مخفی رکھے، جب شیخ پر عقیدہ قوی پختہ ہو جائے تو شیخ کے حضور یہ عرض کرے کہ میں آپ کے حضور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا ہو جب شیخ ان کو قبول کرے تو ان کے حضور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے بلکہ شیخ کی خدمت کرے تاکہ شیخ کی بارگاہ میں مکمل قبولیت سے ہم کنار ہو جائے جب شیخ کسی چیز کی تلقین کرے تو اس میں خود کو مشغول و مصروف رکھے اور کسی وسوسہ ڈالنے کے وسوسہ کی پیروی نہ کرے، شیخ کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے اور نہ ہی تھوکے اور نہ ہی آپ کی مجلس میں ناک صاف کرے، اپنے پیر کو تمام پیروں سے افضل جانے، پیر کی خدمت صدق دل سے کرے، شیخ کے وصال کے بعد بھی شیخ کا ادب اسی طرح کرنا چاہیے جیسے شیخ کی زندگی میں کیا جاتا ہے اور شیخ کے رشتہ داروں کا ادب و احترام کرنا چاہیے اس میں خوشنودی حق اور خوشنودی ارواح طیبات، پیران عظام رحمۃ اللہ علیہم کا باعث ہے، اور اپنے پیر سے کبھی کرامت کی طلب نہ کرے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " پیر کے وجود کو ہی کرامت سمجھو، مراقبہ اور خواب میں جو بات معلوم ہوا سے اپنے پیر سے بیان کرے، پیر کو نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصور کرے، پیر کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومنا بھی جائز ہے اظہار ادب اور محبت کی یہ صورت مستحسن اور مستحب ہے، شیخ کے رشتہ داروں کا ادب اور محبت دل میں رکھے اس کی ہیبت اور خوف سے کبھی دل کو خالی نہ رکھے اس کی مہربانی پر مغرور ہو کر شیطان کے دھوکے میں نہ پھنس جائے اس کی طرف سے اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھے اس کے حضور میں دل کو ہمیشہ خطرات سے پاک و صاف رکھے، اگر مرشد پردہ فرما گئے ہوں تو ہمیشہ قرآن مجید، درود شریف، صدقہ خیرات وغیرہ کا ثواب ان کی روح مبارک کو بخشتا رہے تاکہ تعلق بدستور قائم

رہے اور مستقل عقیدہ رکھے کہ مردان کامل کا فیض دنیاوی زندگی کی حالت میں اور بعد وصال ہر طرح بدستور قائم او ر جاری رہتا ہے، بعد وصال ان کے مزار مبارک پر حاضر ہوکر باقاعدہ فیض حاصل کرتا رہے۔(انوارالسلوک)

اس عالم رنگ و بو میں کچھ ایسی قدسی صفات شخصیتیں جلوہ بار ہوتی ہیں جو گوناگوں فضائل و کمالات کی جامع ہوتی ہیں، جن کی برکتوں سے گم گشتگان راہ منزل مقصود سے ہم آغوش ہوتے ہیں انہیں دردمند اور صاحب فکر و بصیرت لوگوں میں ایک نام پیر طریقت، چرخ طریقت کا مہر تاباں صوفی باصفا حضرت الشاہ سید بختیار حسن چشتی فریدی صابری دامت برکاتہم العالیہ کا بھی ہے حضرت کا میخانۂ عشق و طرب دھموارہ شریف ضلع دربھنگہ بہار میں مسلسل کئی سالوں سے فیض جاری کررہا ہے ارباب وفا پتنگوں کی طرح شمع ولایت پر ٹوٹ پڑرہے ہیں، دن بدن عشاق کا ازدہام بڑھتا جارہا ہے ان کے ذریعے سلسلہ چشتیہ صابریہ کی اشاعت و فروغ اتنی سرگرمی کے ساتھ جاری ہے کہ عنقریب سلسلہ صابریہ کے بافیض بزرگوں میں آپ کا شمار ہونا کچھ بعید نہیں۔قصہ مختصر خانقاہیں علوم دینیہ کا مرکز ہیں زمین پر مساجد، مدارس اور خانقاہیں وہ مقام ہیں جہاں اللہ تعالی کی رحمتیں نازل ہوتی ہے، فرشتے اترتے ہیں، اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے، رسول خدا کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔یہی وہ خانقاہیں ہیں کہ جن میں جسموں کی صفائی کے ساتھ روحوں کی پاکیزگی اور طہارت کا اہتمام کیا جاتا ہے، قلوب کو منور کیا جاتا ہے۔

سگ آستانہ شیخ العالم محمد عرفان چشتی دربھنگوی

خادم جامعہ چشتیہ خانقاہ حضرت شیخ العالم ردولی شریف ضلع فیض آباد یوپی

بیعت وارادت کا شرعی ثبوت

(محمد بشیر احمد مصباحی)

حضور نبی اکرم ﷺ سے بیعت کا جواز قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے روشن ہے۔آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین جب بیعت خلافت لیتے تھے تواسی میں بیعت توبہ شامل ہوتی تھی کیوں کہ اس وقت میں انہیں خلفائے راشدین کو نیابت کا قائم مقام حاصل تھا، خلیفۂ وقت کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام بسبب خوف پھوٹ پڑنے اور اس خوف سے بھی کہ کہیں بیعت کرنے والوں کے ساتھ بیعت و خلافت کا گمان کیا جائے جو فتنۂ فساد کا باعث ہو اس لیے بیعت نہ لیتے تھے فقط صحبت پر اکتفا ہوتا تھا۔جب خلفائے راشدین کا دور ختم ہوا تو اور خلافت کا معاملہ امور مملکت کے انتظام اور نظم ونسق تک سمٹ کر رہ گیا تو سلف صالحین نے بیعت والی سنت کو پھر سے زندہ کیا۔الحمد للہ آج بھی یہ سنت امت میں جاری و ساری ہے۔

بیعت کی شرعی حیثیت اور اس کی ترغیب کی وضاحت ان ارشادات مبارکہ سے ہوتی ہے جس میں تاکید فرمائی گئی ہے کہ جس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر رحلت کی اس کی موت جاہلیت پر ہوئی،البتہ عامۃ الناس پر امام کی اطاعت واجب ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔(النساء،آیت:۵۹)

جس طرح امام کا تقرر واجب ہے اسی طرح امام کے ہاتھ بیعت اور اطاعت بھی واجب ہے۔ بیعت صغریٰ صوفیا اور مشائخ کے ہاتھ پر علوم طریقت کی غرض سے کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیعت کو بیعت سنت بتایا ہے کیوں کہ

اصحاب رسول ﷺ نے اس بیعت کے ذریعے تقرب کی منزلیں طے کی ہیں۔

بیعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم: بیعت کا لغوی معنی بِک جانا یا مول لینا ہے۔ بیعت "بیع" سے مشتق ہے اور یہ مبایعت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، یہ کلمہ اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے کئی معنیٰ دیتا ہے جب کہ اس لفظ سے مضبوطی سے باندھنا، خرید و فروخت، لین دین، محکم پیمان، اطاعت، مرید ہونا اور شاگرد ہونا مراد لیا جاتا ہے۔

علامہ ابن منظور لسان العرب کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: گویا بیعت کرنے والا سب کچھ مرشد کے حوالے کر کے ان سے فیض حاصل کرتا ہے۔ بیعت کے اقسام کے بارے میں علما مختلف نظریات کے حامل ہیں تاہم بیعت ایمان، بیعت اسلام، بیعت عقبہ، بیعت جہاد، بیعت رضوان، بیعت تقویٰ، بیعت توبہ، بیعت اعمال، بیعت تربیت، بیعت علم، بیعت اردات، بیعت طریقت و خلافت، بیعت ولی عہدی، بیعت اطاعت و امامت اور بیعت امانت مشہور ہیں۔

قرآن حکیم میں سینکڑوں بار اللہ تعالی کے وعدہ کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر اللہ تعالی کا ہاتھ ہونے کا صریح اعلان سورۂ فتح میں موجود ہے۔ اس بیعت سے مراد بیعت رضوان ہے جو صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ نے تمام مہاجرین و انصار سے لی تھی یہ بیعت بیعتِ جہاد تھی۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: یا اللہ! یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور دایاں ہاتھ اٹھا کر کہا یہ محمد ﷺ کا ہاتھ ہے، آپ نے اپنے دائیں ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تکمیل فرمائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت بیعت ہاتھ میں ہاتھ دیا اور

لیا جاتا ہے۔ لہٰذا مصافحہ بیعت کی رسم کے لیے صرف سنت رسول ﷺ ہی نہیں بلکہ خوشنودی خدا کا باعث بھی ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیعت کے بارے ارشاد فرماتے ہیں: مرید اپنا عقیدت کا ہاتھ مرشد کے ہاتھ کے ساتھ منعقد کرتا ہے اور یہ انعقاد مرشد کے واسطے سے اس کے مرشد کے ساتھ ہوتا ہے اور علی ہذا القیاس یکے بعد دیگرے یہ انعقاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور حضرت علی کے واسطے سے اس بیعت کا انعقاد حضور ﷺ کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ، ص: ۸۳)

اور اصطلاح شرع میں بیعت اس عقد سعید کو کہتے ہیں جیسا کہ تفسیر خازن میں مذکور ہے: " البيعةالعقد الذي يعقده الإنسان على نفسه من بذل الطاعة للإمام ، والوفاء بالعهد الذي التزمه له" انسان اپنے اوپر امام یا پیر کی اطاعت لازم کر لے اور اس عہد و پیمان پر قائم رہے۔

اس کی متعدّد صورتیں ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ کسی پیر کامل کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر گذشتہ گناہوں سے توبہ کرنے اور آئندہ گناہوں سے بچتے ہوئے نیک اعمال کا ارادہ کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بنانے کا نام بیعت ہے اور یہ بیعت سنت ہے۔ آج کل کے عرف میں اسی کو "پیری مریدی" کہا جاتا ہے۔

بیعت کا ثبوت قرآن مجید میں بھی موجود ہے: يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ اس آیت کے تحت مفسر شہیر علامہ احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی صالح کو اپنا امام بنا لینا چاہیے

تاکہ قیامت میں اس کو ولی اللہ کی جماعت میں اٹھایا جائے، شریعت میں تقلید کر کے اور طریقت میں بیعت کر کے تاکہ حشر اچھوں کے ساتھ ہو۔ اس آیت میں تقلید، بیعت اور مریدی وغیرہ کا بھی ثبوت ہے۔

خزائن القرآن فی تفسیر القرآن میں حضرت علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے وہ امام زماں مراد ہے جس کی دعوت پر دنیا میں لوگ چلے خواہ اس نے حق کی دعوت کی ہو یا باطل کی۔

حاصل یہ ہے کہ ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہوگی جس کے حکم پر دنیا میں چلتی رہی اور انہیں اسی کے نام سے پکارا جائے گا کہ اے فلاں! کے متبعین۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں: بیعت بے شک سنت محبوبہ ہے، قرآن و احادیث میں شریعت، طریقت اور حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر و آسان شریعت کے مسائل ہیں اور ان آسان مسائل کا حال یہ ہے اگر مجتہدین ان کی تشریح نہ فرماتے تو علما کچھ نہ سمجھتے اور علمائے کرام ائمہ مجتہدین کے اقوال کی تشریح نہ کرتے تو عوام ائمہ کے ارشادات سمجھنے سے بھی عاجز رہتے۔ جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو پھر واضح ہے کہ مرشد کامل کے بغیر اسرار معرفت قرآن و حدیث سے خود نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور مرشد کی روشنی کے بغیر سخت تاریک ہے۔ بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اسی راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا۔ تیری کیا حقیقت ہے کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا دعویٰ کرے۔ (نقاء السلافہ فی احکام البیعۃ والخلافۃ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ "وہ جو تمھاری

بیعت کرتے ہیں وہ تواللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ "بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمھاری بیعت کرتے تھے۔ اور بیعت کو خاص جہاد سمجھنا جہالت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلٰدَہُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُہْتٰنٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْہِنَّ وَ اَرْجُلِہِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْہُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ "اے نبی جب تمھارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضعِ ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی توان سے بیعت لے لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنزالایمان، الممتحنۃ، آیت:۱۲)

احادیث مبارکہ سے بیعت کا ثبوت: احادیث مبارکہ میں بھی بیعت کا ذکر آیا ہے اور یہ بیعت مختلف چیزوں مثلاً کبھی تقویٰ اور اطاعت پر، کبھی لوگوں کی خیر خواہی اور کبھی غیر معصیت والے کاموں میں امیر کی اطاعت وغیرہ پر ہوا کرتی ہے، اس کے علاوہ دیگر کاموں پر بھی صحابۂ کرام کا حضور ﷺ سے بیعت ہونا ثابت ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشکل اور آسانی میں، خوشی اور غم میں خود پر ترجیح دیے جانے کی صورت میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی اور اس پر بیعت کی کہ ہم کسی سے اس کے اقتدار کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔ اور ہم کہیں بھی ہوں حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور اللہ تعالی کے بارے میں ملامت کرنے والے کی

ملامت سے نہیں ڈریں گے۔(صحیح مسلم، کتاب الامارہ ، باب وجوب طاعت الامراء)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، زنا اور چوری نہیں کرو گے اور جس شخص کو اللہ تعالی نے قتل کرنا حرام کر دیا ہے اسے بے گناہ قتل نہیں کرو گے تم میں سے جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالی پر ہے اور جس نے ان محرمات میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اس کو سزا دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کسی حرام کو کیا اور اللہ تعالی نے اس کو پوشیدہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ تعالی کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔(صحیح مسلم ، کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لاھلھا)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں جب مکہ مکرمہ میں لیلۃ العقبہ کو ستر صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے جو شرط چاہیں منوالیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے رب کے لیے یہ شرط ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور میرے لیے یہ شرط ہے کہ تم اپنی جانوں اور مالوں کو جن چیزوں سے باز رکھتے ہو ان سے مجھے بھی باز رکھنا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! جب ہم ایسا کر لیں گے تو ہمیں کیا صلہ ملے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت۔ صحابہ نے عرض کیا یہ تو نفع مند بیعت ہے ہم اس بیعت کو نہ توڑیں گے اور نہ ہی توڑنے کا مطالبہ کریں گے۔ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ

الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَہُمْ وَ اَمْوٰلَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ"**بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان** خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔

پیر کامل کی ضرورت کیوں: اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجٰہِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" **اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔**

(کنزالایمان، المائدہ۔ آیت:۳۵)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں وسیلہ سے مراد نہ تو ایمان ہے کیوں کہ ایمان داروں سے تو پہلے ہی خطاب ہو رہا ہے اور نہ ہی اعمال صالحہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ بدنی عبادات ہیں کیوں کہ یہ تقویٰ میں شامل ہیں، اسی طرح جہاد بھی مراد نہیں وہ بھی تقویٰ میں شامل ہے تو وسیلے سے مراد ارادت ہے، بیعت اور مرشد طریقت ہے۔(القول الجمیل فی شفاء العلیل)

حضو اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اجازت بیعت کسی نبی کو نہ تھی کیوں کہ بعد بیعت کسی نبی کی حاجت نہیں ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اسی لیے حق تعالی نے بیعت کا سلسلہ شجر کے نیچے جاری کرنے کا حکم فرمایا۔

مرشد کامل کا تصور اسی مقام پر واضح ہوتا ہے اور اس کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اس کو تسلیم کرنے کے لیے زیادہ منطقی دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے آپ قرآن کو قرآن اس لیے مان لیتے ہیں کہ اس کی ساری عبارتیں سند متّصل کا درجہ رکھتی ہیں اور احادیث نبویہ کو کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی بنیاد پر تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہ معتبر سندوں کے ساتھ رسول

اللہ ﷺ سے روایت ہوتی ہے ۔ یوں ہی سمجھ لینا چاہیے کہ کسی روحانی مرشد کامل کا قلب روشن اسی طرح واسطہ بالواسطہ قلب رسول ﷺ سے ملا ہوا ہوتا ہے ۔ یہ وہ سلسلۃ الذہب ہے جو احوال وکیفیات، ذوق وشوق اور وجدانیات کے تحفظ کا کام کرتا ہے ، یہی تیسرا گروہ مرشد کامل کا گروہ ہے جو بنام صوفیا اور تعلیمِ تصوف بارگاہ نبوی کا سچا وارث اور امین ہے ۔اس کا سلسلہ روحانی بھی زنجیر مسلسل کی مضبوط کڑیوں جیسا ہے ۔ اس کا سر چشمۂ تقدیس و روحانیت قلب رسول ﷺ ہے ۔ جیسے امام بخاری ومسلم نے اخبار رسول ﷺ اور آثار صحابہ کو نظم وضبط کے ساتھ ضخیم دفتروں میں محفوظ کیا اسی طرح حسن بصری اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسرار الٰہی ،انوار رسول اور افکار صحابہ سے اپنے سینوں کو آباد کرتے رہے ۔ ایک جانب اگر اقوال منتقل ہوتے رہے سفینوں میں تو دوسری طرف احوال منتقل ہوتے رہے سینوں سے سینوں میں اور ان دونوں کا تعلق ذات رسول ﷺ ہی سے تھا اور صحابہ کرام کی مقدس جماعت ان دونوں شعبہ حیات نبوی کی جامعیت کا درمیانی واسطہ بنی ہیں ۔ حضرات صحابہ میں خاص طور پر یہ سعادت جن کے حصہ میں آئی ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت مولائے کائنات، حضرت حارثہ، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو عبیدہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی سر فہرست ہے ۔اور سر فہرست بھی قدیم تذکار صوفیا انہیں حضرات کے اسم گرامی سے شروع کیے گئے ہیں ۔(کائنات تصوف)

مریدی کیا چیز ہے؟ غور کیجیے تو ہو بہو لفظ صحابی کا مرادی معنی ہے ۔ شرف صحابیت، اہمیت اور صحبت سے ہی مستفاد اور اعلیٰ ترین نسبت کے اعتبار سے اپنے مقام میں منفرد

و ممتاز ہے کہ یہاں غیر کی رسائی نہیں۔

تصوف میں صوفیا نے ارادت کو اسی سے مستعار لیا ہے جس کا مشہور نام "مریدی" اور اصطلاح مریدی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ جس مرشد کامل سے لگاؤ اور تعلق پیدا ہو جائے صدق قلب کے ساتھ اس کی جانب مائل ہو جائے تو اس کی خدمت میں عاقبت بخیر ہونے کے لیے اطاعت و نیاز مندی کے ساتھ حضوری قائم رکھی جائے اور یہ حکم خدا کی عین تعمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (کنزالایمان، توبہ، آیت:۱۱۹)

یہاں تین باتیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں اول ایمان باللہ، دوسری اتقوا اللہ اور تیسری معیت باللہ۔ اور مخاطب اس کے اہل ایمان ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل ایمان کو اولیت حاصل ہے۔ اللہ سے ڈرنے کے حکم کے ساتھ دوسرا درجہ خشیت ربانی اور تقویٰ کا ہے۔ تقویٰ کی جامع تعریف اہل صفا نے ایسے بھی کی ہے کہ خدا تجھے اس جگہ نہ دیکھے جہاں جانے سے روکا ہے اور اس جگہ سے کبھی غیر حاضر نہ پائے جہاں جانے کا حکم دیا ہے، اس تعریف میں کُل اوامر و نواہی شامل ہو گئے۔ تیسری بات اولیاء اللہ کی معیت ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حصول ایمان اور حصول تقویٰ و طہارت ہی کافی نہیں اس کے بعد بھی ایک مرتبہ اور ہے جو کونوا مع الصادقین میں پنہاں ہے اور وہ مرتبہ احسان کی تکمیل ہے۔ اسلام اور ایمان پر ان سے بہت آگے منزل احسان ہے جس کا تعلق مشاہدہ اور رویت سے ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں اہمیت شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم: الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ کا ذکر کرتے ہیں کہ شیخ

اپنے حلقۂ مریدین میں اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی امت میں یعنی شیخ اپنی قوم میں خدا کی راہ اسی طرح دکھلانے والا ہے جس طرح نبی اپنی امت میں ۔ یہ ظاہر ہے کہ امت کو راہ طلب میں بغیر پیغمبر کے چارہ نہیں تو قوم کو بھی بغیر شیخ یعنی خلیفۂ پیغمبر کے چارہ نہیں ۔ اسی وجہ سے حضرات مشائخ کا قول ہے: لا دین لمن لا شیخ لہ جس کا کوئی پیر و مرشد نہیں اس کا کوئی مذہب ہی نہیں ، کیوں کہ مشائخ عظام کی ذات بابرکت پیغمبروں کی نائب ہے اس کے علاوہ مشائخ کرام کی کتابوں میں بکثرت عقلی دلائل موجود ہیں ۔

سینکڑوں فلسفی ، دہری اور اکثر بندہ نفس بغیر امداد شیخ کامل اور واصل باللہ کے محض اپنی عقل کے بھروسے پر اس راہ میں چلے اور فوراً ہی بھٹک کر دشت پُر خار میں ایسے الجھے کہ نکل نہ سکے ، دین و ایمان سے برباد ہو کر رہ گئے ، اسی لیے جتنا جلد ہو سکے کسی رہبر کامل کی تلاش کریں اور اپنے روز ازل کا قول الست بربکم قالوا بلیٰ کا وعدہ وفا کرے جس کے لیے اللہ تعالی نے کل کائنات اور اپنے محبوب پاک ﷺ کو ظاہر فرمایا (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا ، میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں ، اس لیے خلق کو پیدا کیا) من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" پیری مریدی کا اصل مقصد بھی اپنے عرفان سے آگاہ ہونا ہے تاکہ رب تعالی کی معرفت حاصل ہو جائے ۔

بیعت کے فوائد و حسنات: کسی پیر کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہونے سے پیر کامل سے نسبت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے باطن کی اصلاح کے ساتھ ساتھ نیکی سے محبت اور گناہ سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ، پیر کامل کی صحبت اور اس کے فوائد بیان کرتے ہوئے حضرت فقیہ عبد الواحد بن عاشر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : عارف کامل کی صحبت اختیار کرو وہ تمہیں ہلاکت کے راستے سے بچائے گا اس کا دیکھنا تمہیں اللہ تعالی کی یاد دلائے گا

اور وہ بڑے نفیس طریقے سے نفس کا محاسبہ کراتے ہوئے اور خطرات قلب سے محفوظ فرماتے ہوئے تمہیں اللہ سے ملا دے گا، اس کی صحبت کے سبب تمھارے فرائض و نوافل محفوظ ہوجائیں گے، تصفیہ قلب کے ساتھ ذکر کثیر کی دولت میسر آئے گی اور وہ اللہ تعالی سے متعلقہ سارے امور میں تمھاری مدد فرمائے گا۔(آداب مرشدِ کامل، ص:۸۲)

اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ مرید ہونا واجب ہے یا سنت، نیز مرید کیوں ہوا کرتے ہیں اور مرشد کی ضرورت کیوں ہے اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: مرید ہونا سنت ہے اور اس سے فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال مسلسل صحت عقیدت کے ساتھ سلسلہ صحیحہ متصلہ میں اگر انتساب باقی رہا تو نظر والے اس کی برکات ابھی دیکھتے ہیں اور جنہیں نظر نہیں وہ قبر و حشر میں اس کے فوائد دیکھیں گے۔(فتاوی رضویہ)

نیز یہ پیران عظام یا ان سلسلوں کے اکابرین اپنے مریدین و متوسلین اور متعلقین سے کسی بھی وقت غافل نہیں رہتے اور مشکل مقام پر ان کی مدد فرماتے ہیں۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بے شک سب ائمہ، اولیا، علمائے ربانیین اپنے پیروکاراں اور مریدوں کی شفاعت کرتے ہیں جب ان کے مرید کی روح نکلتی ہے، جب نکیرین قبر میں اس سے سوال کرتے ہیں، جب حشر میں اس کا نامۂ اعمال کھلتا ہے، جب اس سے حساب لیا جاتا ہے، جب اس کے اعمال تولے جاتے ہیں اور جب وہ پل صراط پر چلتا ہے تو ان تمام مراحل میں وہ اس کی نگہبانی کرتے ہیں اور کسی بھی جگہ اس سے غافل نہیں ہوتے۔(المیزان الکبریٰ)

مرید ہونے کے مقاصد: مرید ہونے کا مقصد اصلی یہ ہے کہ انسان مرشد کامل کی رہنمائی اور باطنی توجہ کی برکت سے صراط مستقیم پر چل کر اپنی زندگی شریعت و سنت کے مطابق گزار سکے اور اگر راہ باطن اور معرفت پر چلنا ہو تو پھر بیعت ہونا ضروری ہے کیوں کہ یہ منزل بے انتہا مشکل اور کٹھن ہے جسے بغیر کسی رہبر کے طے کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ لہذا اس راستے کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ طے کرنے کے لیے انسان کو مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرید کو کسی مرشد و رہبر کی حاجت ہوتی ہے جو اس کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے کیوں کہ دین کا راستہ انتہائی باریک ہے جب اس کے مقابلے میں شیطانی راستے بکثرت نمایاں ہیں تو جس کا کوئی مرشد نہ ہو جو اس کی تربیت کرے تو یقیناً شیطان اسے اپنے راستے کی طرف لے جاتا ہے جو پُر خطر وادیوں میں بغیر کسی کی رہنمائی کے چلتا ہے وہ خود کو ہلاکت پر پیش کرتا ہے، جیسے خود بخود اگنے والا پودا جلد ہی سوکھ جاتا ہے اور اگر وہ لمبے عرصے تک باقی بھی رہے تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے لیکن وہ پھل دار نہیں ہوگا۔ مرید پر ضروری ہے کہ وہ مرشد کا دامن اس طرح تھام لے جس طرح اندھا نہر کے کنارے اپنی جان نہر پار کرانے والے کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کی اتباع میں کسی قسم کی مخالفت نہیں کرتا اور نہ ہی اسے چھوڑتا ہے۔

(احیاء العلوم، باب ریاضۃ النفس)

معلوم ہوا کہ مرید ہونے میں دینی و اخروی فائدے پیش نظر ہونی چاہیے مگر بدقسمتی سے فی زمانہ اکثر لوگوں نے پیری مریدی کو جو کبھی رشد و ہدایت، ایمان کی حفاظت اور دخول

جنت، حصول شفاعت کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ آج وہ حصول دولت و عمارت یا صرف نقش و تعویذ پڑھنا اور جھاڑ پھونک کرنا بن کر رہ گئی۔ اس اہم منصب کو بھی محض حصول دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ لوگ پیر کامل کا معیار یہ سمجھتے ہیں کہ پیر تعویذات و عملیات میں ماہر ہو جو دنیاوی مشکل کا حل کر دیا کرے اور جہاں کوئی مسئلہ حل نہ ہوا وہاں پیر صاحب کے کامل ہونے میں شکوک و شبہات میں پڑ جانا سراسر جہالت و حماقت ہے۔ اب شاید ہی کوئی خوش نصیب ہوگا جو اہل علم و فضل، علما، صلحا، یا مزارات مقدسہ پر اس نیت سے حاضری دیتا ہو کہ ان سے گناہوں کی مغفرت اور خاتمہ علی الایمان کی دعا کرائیں گے۔ لہذا مرید ہوتے وقت مرشد کامل کی حقیقی پہچان اور مرید ہونے کے مقاصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

مرشد کامل کے شرائط اور اس کی پہچان: آج کل جو بیعت رائج ہے اسے بیعت تبرک کہتے ہیں جو نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ ایسا کوئی حکم شرعی ہے کہ جس کو نہ کرنے پر گناہ یا آخرت میں مواخذہ ہو ہاں اگر کوئی متّصل السلسہ جامع شرائط پیر مل جائے تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا مرید ہونا یقیناً ایک امر مستحسن اور باعث خیر و برکت اور بے شمار دینی و دنیوی فوائد کا حامل ہے۔

اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بھی پیر کامل کے چار شرائط بیان کیے ہیں: ان چاروں شرائط پر جو کوئی پورا اترے گا وہی پیر کامل ہے۔ باقی سب ایمان کے ڈاکو ہیں، ان سے اپنا ایمان بچانا بہت ضروری ہے۔

(۱) پیر کا سلسلہ درست واسطوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے اتصال یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تعلق ناممکن ہے۔

(۲) پیر سنی صحیح العقیدہ سنی ہو، بد مذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ ﷺ تک۔ (۳) پیر عالم ہو (یعنی کم از کم اتنا علم ضروری ہے بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے نکال سکے) عقائد اہل سنت سے لازمی طور پر پورا واقف ہو، کفر و اسلام، گمراہی اور ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔ (۴) پیر فاسق معلن نہ ہو یعنی اعلانیہ گناہ کرنے والا نہ ہو۔ (فتاوی افریقہ، ص:۱۲۴)

بعض لوگ بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ داد کی سجادگی پر بیٹھ جاتے ہیں، یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی بلا اذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں تو جس شخص میں ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ ہو تو اس کو پیری مریدی نہیں کرنا چاہیے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب مرید ہونا ہو تو اچھی طرح تفتیش کر لیں ورنہ اگر بد مذہب سے مرید ہوا تو ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص:۲۷۷)

علامہ شارح بخاری مفتی شریف الحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ دور وہ ہے کہ پیری مریدی زیادہ تر ایک تجارتی کاروبار کی شکل اختیار کر چکی ہے جس طرح بنیا کا بیٹا بنیا ہوتا ہے اس طرح خواہ اہلیت ہو یا نہ ہو پیر کا بیٹا ضرور پیر ہوتا ہے۔ اور بقول بعض ابنائے زمانہ اس زمانہ میں اکثر و بیشتر مادر زاد پیر ہوتے ہیں۔ اور علامہ اقبال کے قول کے مطابق ہر خرقہ سالوس میں ایک مہاجن چھپا ہوا ہے اور پیر کا مقصود سوائے نذرانہ وصول کرنے، دعوتیں اڑانے کے کچھ اور نہیں رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرید فاسق معلن ہو، بدکردار ہو اگر پیر صاحب کو معقول نذرانہ دیتا ہے، دل پسند دعوتیں کرتا ہے تو پیر صاحب کی نظر میں بڑا مخیر اور دین دار ہے اسے پیر صاحب

کی مسند پر برابری کی جگہ ملتی ہے۔اس کے برخلاف کوئی بدقسمت مرید مفلس ہو خواہ کتنا ہی دین دار، خداترس ہو اس کی حیثیت خانقاہ شریف کے جاروب کش اور کفش بردار سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آگے مزید فرماتے ہیں: آج کے یہ نام نہاد پیر مریدین کی اصلاح سے عاجز درماندہ ہیں، اپنے مریدین کے نذرانوں سے ایسے دبے ہوئے ہیں کہ مرید کے منشا کے خلاف دم نہیں مار سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا مرید پیر کے مذہب پر نہیں بلکہ پیر مرید کے مذہب پر ہے۔(مقالات شارح بخاری،ج،۳)

آج کل ایسے پیروں کی تعداد بھی کافی ہے جو نماز روزہ اور دیگر احکام شرع پر نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ اپنے مریدوں سے عمل کراتے ہیں بلکہ اسلام وقرآن کی باتوں کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ مولوی لائن کی باتیں ہیں، ہم تو فقیری لائن کے ہیں۔ یہ کھلے عام شریعت اسلامیہ کا انکار کرنے والے اور نماز روزے کی مخالفت کرنے والے پیر تو پیر مسلمان تک نہیں، ان کا مرید ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی غیر مسلم کو اپنا پیشوا بنانا۔کیوں کہ شریعت اسلامیہ کا انکار اسلام ہی کا انکار ہے اور یہ کفر ہے۔

بعض گمراہ پیروں کے گمراہ مریدوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ ہم نے اپنے پیر کا دیدار کر لیا یہی ہماری نماز وعبادت ہے ان کا یہ قول سخت بددینی ہے۔خدائے تعالی ہمیں ان جیسے فتنہ پرور دنیادار پیروں سے ہماری حفاظت فرمائے اس لیے کہ اسلام انہیں دو چیزوں کا نام ہے ایک یہ کہ اللہ تعالی کی عبادت و اطاعت بھی ہو اور اس کے محبوب بندوں خاصان خدا حضرات، انبیا، اولیا کی تعظیم اور ان سے محبت بھی ہو۔ خدائے تعالی ہمیں آخرت کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد بشیر احمد مصباحی مسہا، سیتامڑھی بہار

۹/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸/نومبر ۲۰۱۸ء بروز اتوار

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور اجمیر کی تاریخی اہمیت (محمد سرفراز احمد مصباحی)

سلطان الہند حضرت خواجہ سیّد محمد **معین الدین چشتی** اجمیری ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں، آپ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الدین گنج شکر جیسے عظیم الشان پیرانِ طریقت کے مرشد ہیں۔ غریبوں کی بندہ پروری کرنے کے عوض عوام نے آپ کو غریب **نواز** کا لقب دیا جو آج بھی زبان زدِ عام و خاص ہے۔

ولادت: آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۴ رجب المرجب ۵۳۷ ھ بمطابق ۱۱۴۱ء جنوبی ایران میں سیستان کے علاقے "سنجر" نامی گاؤں میں ولادت ہوئی، خراسان میں آپ کی نشوونما ہوئی۔ خواجہ معین الدین کا نام بچپن میں حسن تھا۔ آپ نسلی اعتبار سے نجیب الطرفین صحیح النسب سید تھے آپ کا شجرہ عالیہ بارہ واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد گرامی خواجہ غیاث الدین حسین امیر تاجر اور بااثر تھے۔ خواجہ غیاث الدین صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عابد و زاہد شخص بھی تھے۔ دولت کی فراوانی کے باوجود خواجہ معین الدین چشتی بچپن سے ہی بہت قناعت پسند تھے۔ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی بی بی ام الورع ماہ نور ہے۔

نسب: خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز کا شجرہ نسب حضرت علی سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد و والدہ سید گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔

آپ کا شجرہ نسب یہ ہے : معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید نجم الدین طاہر بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام تقی بن امام موسی رضا بن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر بن امام

زین العابدین بن حسین بن علی۔(خواجگان چشت، ص:۱۴)

تاریخ کے آئینے میں: والد حضرت امام حسین اور والدہ امام حسن کی اولاد میں سے ہیں اسی طرح آپ حسنی و حسینی سید ہیں۔ عمر مبارک ۱۵/سال تھی جب آپ کے والد کا وصال ہوا۔ والد کا مزار شہر بغداد میں ہے۔ پیر و مرشد کا نام حضرت خواجہ عثمان ہارونی ہے، ان کا مزار مکہ معظمہ میں ہے۔ آپ پیر و مرشد کے ساتھ روضہ رسول پر گئے اور کعبۃ اللہ کی زیارت کی۔ حضور ﷺ کے حکم پر ۵۸۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔ ہندوستان کی تشریف آوری کے موقع پر مریدین و معتقدین کی تعداد ۴۰ تھی۔ جب آپ تشریف لائے اس وقت اجمیر میں پرتھوی راج چوہان کی حکومت تھی۔ آپ نے دو شادیاں کیں ایک بیوی کا نام عصمت اللہ ہے جبکہ دوسری بیوی کا نام امت اللہ ہے۔ آپ کے تین فرزند اور ایک بیٹی تھی۔ حضرت خواجہ فخر الدین جن کا مزار اجمیر سے ساٹھ کلو میٹر دور درواڑ میں ہے۔ حضرت خواجہ ابو سعید چشتی جن کا مزار احاطہ درگاہ شاہی گھاٹ پر ہے۔ خواجہ حسام الدین ایام جوانی میں ہی مردان غیب میں شامل ہوگئے تھے۔ آپ کی صاحبزادی کا نام بی بی حافظہ جمال ہے۔

القابات: معین الحق، حجۃ الاولیا، سراج الاولیا، فخر الکاملین، قطب العارفین، ہند الولی، عطائے رسول، تاج اولیا، شاہ سوار قاتل کفار، مغیث الفقراء او معطی الفقراء، سلطان الہند، ولی الہند، ہند النبی، وارث النبی فی الہند، خواجۂ خواجگان، خواجہ اجمیری، خواجہ غریب نواز، امام الطریق، خواجہ بزرگ، پیشوائے مشایخ ہند، شیخ الاسلام، نائب النبی فی الہند۔

بچپن: جب آپ کی عمر صرف ۱۵ سال تھی تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ایسے لمحات میں آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی نور نے بڑی استقامت کا ثبوت دیا اور بڑے حوصلے کے

ساتھ بیٹے کو سمجھایا اور کہا”:فرزند! زندگی کے سفر میں ہر مسافر کو تنہائی کی اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے اگر تم ابھی سے اپنی تکلیفوں کا ماتم کرنے بیٹھ گئے تو زندگی کے دشوار گزار راستے کیسے طے کرو گے۔ تمھارے والد کا ایک ہی خواب تھا کہ ان کا بیٹا علم وفضل میں کمال حاصل کرے۔ چنانچہ تمہیں اپنی تمام تر صلاحیتیں تعلیم کے حصول کے لیے ہی صرف کر دینی چاہئیں“۔ مادر گرامی کی تسلیوں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی طبیعت سنبھل گئی اور آپ زیادہ شوق سے علم حاصل کرنے لگے۔ مگر سکون وراحت کی یہ مہلت بھی زیادہ طویل نہ تھی مشکل سے ایک سال ہی گزرا ہو گا کہ آپ کی والدہ حضرت بی بی نور بھی خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اس دنیا میں اکیلے رہ گئے۔

حضرت ابراہیم قندوزی سے ملاقات: والد گرامی کی وفات پر ایک باغ اور ایک آٹا پیسنے والی چکی آپ کو ورثے میں ملی۔ والدین کی جدائی کے بعد باغبانی کا پیشہ آپ نے اختیار کیا۔ تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آپ کو اس کا بڑا افسوس تھا لیکن یہ ایک ایسی فطری مجبوری تھی کہ جس کا بظاہر کوئی علاج نہ تھا۔ ایک دن خواجہ معین الدین چشتی اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ادھر سے مشہور بزرگ ابراہیم قندوزی کا گزر ہوا۔ آپ نے بزرگ کو دیکھا تو دوڑتے ہوئے پاس گئے اور ابراہیم قندوزی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ابراہیم قندوزی ایک نوجوان کے اس جوش عقیدت سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے شفقت سے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چند دعائیہ کلمات کہہ کر آگے جانے لگے تو آپ نے ابراہیم قندوزی کا دامن تھام لیا۔ حضرت ابراہیم نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا: اے نوجوان! ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ خواجہ معین الدین چشتی نے عرض کی کہ آپ چند لمحے

اور میرے باغ میں قیام فرمائیے۔ کون جانتا ہے کہ یہ سعادت مجھے دوبارہ نصیب ہوگی کہ نہیں"۔

آپ کا لہجہ اس قدر عقیدت مندانہ تھا کہ ابراہیم قندوزی سے انکار نہ ہوسکا اور آپ باغ میں بیٹھ گئے۔ پھر چند لمحوں بعد انگوروں سے بھرے ہوئے دو طباق معین الدین چشتی نے ابراہیم قندوزی کے سامنے رکھ دیے اور خود دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ ابراہیم قندوزی نے اپنے پیرہن میں ہاتھ ڈال کر جیب سے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا نکال کر خواجہ معین الدین کی طرف بڑھایا اور فرمایا: "وہ تیری مہمان نوازی تھی یہ فقیر کی دعوت ہے"۔ اس ٹکڑے کا حلق سے نیچے اترنا ہی تھا کہ خواجہ معین الدین چشتی کی دنیا ہی بدل گئی۔ اورآپ کے دل میں عشق حقیقی کا جذبہ بیدار ہوگیا اور نور الٰہی سے منور ہوگیا پھر آپ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کائنات کی ہر شے بے معنی ہے۔

بیعت ہونے کا واقعہ: ملفوظات انیس الارواح میں آپ نے اپنی بیعت کا واقعہ یوں درج فرمایا ہے: "کمترین بندہ معین حسن سنجری" کو شہر بغداد میں خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی، اس وقت بارگاہ میں معزز مشائخ بھی موجود تھے۔ جیسے ہی میں نے سر زمین پر رکھا آپ نے فرمایا: دوگانہ ادا کرو، میں نے دوگانہ ادا کیا۔ پھر فرمایا قبلہ کی طرف منھ کرکے بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا، پھر مجھے سورہ بقرہ پڑھنے کا حکم ہوا، میں نے سورہ بقرہ پڑھی، بعدہ اکیس مرتبہ کلمۂ سبحان پڑھنے کا حکم ہوا میں نے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے آسمان کی طرف منھ اٹھایا تو خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: میں نے تجھے اللہ تعالی تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد چار ترکی کلاہ اور خاص خرقہ

عنایت فرمایا۔ پھر بیٹھنے کا حکم ہوا میں بیٹھ گیا۔ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے خانوادے میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے، آج کی رات اور آج کا دن مجاہدے میں مشغول رہو، آپ کے حکم پر میں نے ایک دن اور رات کا مجاہدہ کیا۔ جب میں دوسرے دن خواجہ ہارونی کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا۔ حکم پاتے ہی میں نے ایک ہزار مرتبہ سوراخلاص پڑھی، پھر فرمایا: اوپر کی طرف دیکھ، جیسے ہی میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی، آپ نے فرمایا: تجھے کیا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ عرش اعظم تک سب کچھ دکھائی دیتا ہے؟ پھر فرمایا: زمین کی طرف دیکھ، میں نے زمین کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ اب کہاں تک دکھائی دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا حجاب عظمت تک۔ پھر آنکھ بند کرنے کا حکم ہوا میں نے آنکھ بند کر لی۔ آپ نے فرمایا: آنکھ کھول! میں نے کھولی۔ مجھے دو انگلیاں دکھا کر فرمایا: تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ میں کہا: اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوقات۔ جب میں نے عرض کیا تو فرمایا: جا تیرا کام سنور گیا۔ ایک اینٹ پاس رکھی تھی، فرمایا اسے الٹ دو۔ جب میں نے اسے پلٹا تو اس کے نیچے ایک مٹھی سونے کے دینار تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے لے جا کر فقیروں میں صدقہ کر دو۔ میں نے صدقہ کر دیا۔ پھر چند روز تک اپنی خدمت میں رہنے کا حکم فرمایا، میں نے کہا: حضور بندہ فرماں بردار ہے۔ پھر شرف بیعت سے نوازا۔

(تلخیص انیس الارواح، ملفوظات خواجہ غریب نواز)

چشتی کہلانے کی وجہ تسمیہ: چشت ایک قصبے کا نام ہے جو کبھی ملک خراسان کی حدود میں واقع تھا۔ لیکن آج کل قصبہ چشت کا محل وقوع افغانستان کے ہرات کے علاقے میں ہے۔ یہاں ایک بزرگ ہوئے جن کا نام ابو اسحاق شامی تھا جب وہ بیعت ہونے کی غرض سے

خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغداد حاضر ہوئے تو خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت وارادت سے مشرف فرمانے کے بعد آپ سے دریافت فرمایا: تمھارا نام کیا ہے؟ تو جواب میں حضرت ابواسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بصد عجز و نیاز عرض کیا کہ اس عاجز کو ابواسحاق شامی کہتے ہیں۔ یہ سن کر خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: آج سے ہم تجھے ابواسحاق چشتی کہیں گے اور جو تیرے سلسلۂ ارادت میں تاقیامت داخل ہوں گے وہ بھی چشتی کہلائے گا۔

خواجہ ابواسحاق شامی نے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق چشت تشریف لاکر رشد و ہدایت کے کام میں مصروف ہوگئے۔

آپ کے سلسلے کے دیگر بزرگ جیسے خواجہ احمد چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ قطب الدین مودود چشتی بھی چشت میں قیام پذیر ہوئے۔ اور رشد و ہدایت میں تادم آخر مصروف رہے۔ اور چشت ہی میں واصل بحق ہوکر وہیں دفن ہوئے۔ یہ تمام بزرگان خواجہ معین الدین چشتی کے پیران عظام ہیں۔ اسی باعث خواجہ غریب نواز بھی چشتی سے مشہور ہوئے۔

علوم ظاہری: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کچھ اللہ کی راہ میں لُٹانے کے بعد تحصیل علم کے لیے خراسان کو خیرباد کہہ دیا اور آپ نے سمرقند بخارا کا رُخ کیا جو اس وقت علوم و فنون کے اہم مراکز تصور کیے جاتے تھے۔ یہاں پہلے آپ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے علوم ظاہری میں مہارت حاصل کی۔

علوم باطنی: علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے مرشد کامل کی تلاش میں عراق کا رخ کیا۔

اپنے زمانے کے مشہور بزرگ خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں آئے خواجہ معین الدین چشتی اپنے مرشد کی خدمت میں تقریباً ڈھائی سال رہے۔ آپ پیرو مرشد کی خدمت کے لیے ساری ساری رات جاگتے رہتے کہ مرشد کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑ جائے۔

سرورِ کائنات کے روضہ اقدس کی حاضری ہوئی حضرت عثمان ہارونی نے خواجہ معین الدین چشتی کو حکم دیا۔ "معین الدین! آقائے کائنات کے حضور سلام پیش کرو۔ خواجہ معین الدین چشتی نے گداز قلب کے ساتھ لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ السلام علیکم یا سید المرسلین۔ "وہاں موجود تمام لوگوں نے سنا۔ روضہ رسول سے جواب آیا۔ وعلیکم السلام یا سلطان الہند"۔

اسفار: سفر بغداد کے دوران آپ کی ملاقات شیخ نجم الدین کبریٰ سے ہوئی اولیائے کرام میں شیخ نجم الدین کبریٰ کا مقام بہت بلند ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی ڈھائی ماہ تک شیخ نجم الدین کبریٰ کے ہاں قیام پزیر رہے اور ایک عظیم صوفی کی محبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ اس کے بعد معین الدین چشتی بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا۔ پھر آپ تبریز تشریف لے گئے اور وہاں خواجہ ابو سعید تبریزی سے فیض حاصل کیا۔ ابو سعید تبریزی کو تصوف کی دنیا میں ہمہ گیر شہرت حاصل ہے۔ چند دن یہاں گزارنے کے بعد آپ اصفہان تشریف لے گئے۔ وہاں مشہور بزرگ شیخ محمود اصفہانی کی محبت سے فیض یاب ہوئے۔ جب آپ اصفہان سے روانہ ہوئے تو قطب الدین بختیار کاکی جو ابھی نو عمر تھے آپ کے ساتھ ہوئے جو بعد میں تاجدار ہند کہلائے۔ آپ گنج شکر بابا فرید کے مرشد اور نظام الدین اولیاء کے دادا مرشد ہیں۔

بہرکیف معین الدین چشتی اصفہان سے خرقان تشریف لے آئے یہاں آپ نے دو سال وعظ فرمایااور ہزاروں انسانوں کوراہ راست پر لائے۔ پھر ایران کے شہر استرآباد تشریف لے آئے ان دنوں وہاں ایک مرد کامل حضرت شیخ ناصرالدین قیام پزیر تھے۔ جن کا سلسلہ دو واسطوں سے بایزید بسطامی سے جا ملتا ہے چند ماہ یہاں حضرت شیخ ناصرالدین سے روحانی فیض حاصل کیا۔ پھر ہرات کا قصد کیا۔ یہ شہر ایرانی سرحد کے قریب افغانستان میں واقع ہے۔ یہاں خواجہ عبداللہ انصاری کے مزار مبارک پر آپ کا قیام تھا۔ بہت جلد سارے شہر میں آپ کے چرچے ہونے لگے۔ جب بات حد سے بڑھ گئی اور خلق خدا کی ہر لمحے حاضری کی وجہ سے وظائف اور عبادت الٰہی میں فرق پڑنے لگا تو آپ ہرات کو خیرباد کہہ کر سبزوار تشریف لے گئے۔

تصنیفات: انیس الارواح : یا انیس دولت، جو ملفوظات خواجہ عثمان ہاروَنی تحریر کیے۔ گنج اسرار، مجموعہ دیگر از ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی اور شرح مناجات خواجہ عبداللہؒ انصاری ہیں۔ دلیل العارفین، یہ کتاب مسائل طہارت، نماز، ذکر، محبت، وحدت و آداب سالکین ہیں۔ بحرالحقائق، ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی خطاب ہے خواجہ قطب الدین بختیار۔ اسرارالواصلین، اس میں شامل آٹھ خطوط جو خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کو لکھے۔ رسالہ وجودیہ۔ کلمات خواجہ معین الدین چشتی اور دیوان معین الدین چشتی اس میں شامل غزلیات فارسی ہیں۔

خلفائے عظام: خواجہ اجمیری کے خلفا کی تعداد بے شمار ہیں جس میں مشہور و معروف قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ وجانشین) ہیں۔

شجرہ طریقت خواجہ معین الدین چشتی: پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں بعض بزرگانِ دین نے خراسان کے ایک قصبہ چشت میں رشد و ہدایت کا ایک سلسلہ شروع کیا، جو دور دور تک پھیلتا چلا گیا، یہ خانقاہی نظامِ طریقت سلسلۂ چشتیہ کے نام سے موسوم ہوا۔

حضرت محمد ﷺ، علی کرم اللہ وجہہ، خواجہ حسن بصری، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ فضیل ابن عیاض، خواجہ ابراہیم بن ادہم البلخی، خواجہ حذیفہ مرعشی، خواجہ ابوہبیرہ بصری، خواجہ ممشاد علوی دینوری، خواجہ ابو اسحاق شامی، خواجہ ابو احمد ابدال، خواجہ ابو محمد چشتی، خواجہ ابویوسف چشتی، خواجہ قطب الدین مودود چشتی، خواجہ شریف زندانی، خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی بابافرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیا، نصیر الدین محمود چراغ دہلوی

وصال: آپ کا وصال ۶/رجب ۶۳۳ ہجری مطابق ۱۲۳۵ عیسوی کو اجمیر شریف میں ہوا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف **۹۷** سال کی تھی جبکہ اجمیر میں آپ کا قیام ۴۰ سال رہا۔ اس وقت سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔

اجمیر کی تاریخی اہمیت

اجمیر ہندوستان کا ایک نہایت قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ یوں تو اسے تاریخ کے ہر دور میں کچھ نہ کچھ اہمیت حاصل رہی ہے لیکن خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ ہونے کی وجہ سے اسے جو شہرت اور ناموری حاصل ہوئی ہے وہ بے مثال اور لازوال ہے۔ یہ شہر ہندوستان کے شمال مغرب میں کوہِ اراولی کے دامن میں واقع ہے اردگرد کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ اس کے مشرق میں ریاست کشن گڑھ، مغرب میں دریائے سرسوتی، شمال

میں گوگرا گھاٹ اور جنوب میں کوہِ اراولی ہے۔ آگرہ سے اجمیر کا فاصلہ ۳۶۹، دہلی سے ۳۹۸، ممبئی سے ۱۰۴۱، اور سیتامڑھی سے ۱۲۸۷ کلومیٹر ہے۔

اجمیر کی بنیاد دوسری صدی عیسوی میں راجہ واسدیو نے ڈالی تھی۔ قدیم شہر موجودہ شہر کے جنوب میں واقع تھا۔ آج بھی اس کے کھنڈرات چشم بینا کے لیے سامان عبرت مہیا کرتے ہیں۔ مختلف ادوار میں اسے مختلف ناموں سے یاد کیا گیا۔ مثلاً: جیدرُک، جے میر، ادمیر، جیا نگر، جلوپور وغیرہ۔

مشہور بدھ راجہ کنشک (متوفی ۱۲۰ء) کے بعد اس کے بیٹے ہویشک نے ۱۴۰ء تک بڑی آن بان سے حکومت کی۔ ہویشک کے بعد راجہ واسدیو گدی نشین ہوا لیکن وہ اپنے باپ دادا کی طرح ایک مضبوط حاکم ثابت نہ ہوا اور جگہ جگہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ باغیوں میں ریاست انہل پور کا راجہ اجے پال بھی تھا۔ اس کا پایہ تخت پٹن (گجرات) تھا اور وہ کنشک خاندان کا باجگذار تھا۔ اس نے راجہ واسدیو کی فوجوں کو شکست دے کر راجپوتانہ کی کافی علاقہ پر قبضہ کر لیا ان میں اجمیر کا علاقہ بھی شامل تھا۔ راجہ اجے پال نے اجمیر کو اپنا پایہ تخت قرار دے کر ایک جداگانہ سلطنت قائم کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ اجمیر بنیاد راجہ واسدیو نے پہلے ہی ڈاال دی تھی البتہ اس کو رونق اور وسعت راجہ اجے پال نے دی۔

اجمیر پر مدتوں اجے پال کے خاندان کی حکومت رہی۔ ۳۳۳ء میں گپت خاندان کے بلند ہمت راجہ سمندر گپت نے تمام شمالی ہند بشمول راجپوتانہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح اجمیر پر پانچویں صدی عیسوی تک گپت خاندان کی حکومت رہی، کمار گپت کے عہد میں وسط ایشیا کے وحشی قبائل نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ایک وسیع علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ گپت خاندان

کی اہمیت بھی ان کی وحشت و بربریت کی طوفان میں بہہ گئی اور اجمیر کے راجہ نے بھی اس نئی طاقت کا جُوَا اپنی گردن میں ڈال لیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال راجپوتانہ میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ بالآخر اجمیر پر چوہان راجاؤں کی حکومت قائم ہوگئی۔ اور انہوں نے اسے مستقل ریاست کی حیثیت دے کر بڑی ترقی دی۔ دسویں صدی عیسوی کے آخر میں حاکم غزنی امیر ناصر الدین سبکتگین (متوفی ۹۹۷ء) نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ کابل اور پنجاب کے اجے پال راجہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ لمغان اور غزنی کے ایک مقام پر ۹۷۹ء میں راجہ اجے پال اور اسلامی فوجوں کے درمیان ایک خون ریز جنگ ہوئی جس میں اجے پال نے شکست کھائی اور اس نے خراج دینے کے وعدے پر امیر سبکتگین سے صلح کرلی لیکن لاہور پہنچ کر وہ اپنا وعدہ بھول گیا اور امیر سبکتگین کے خلاف تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔ وطن، قوم اور مذہب کے نام پر اس نے اجمیر، کالنج، دہلی، اور قنوج کے طاقتور راجاؤں سے مدد مانگی، ان راجاؤں نے فوراً اپنی منتخب افواج اجے پال کی مدد کے لیے بھیج دیا غرض کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک جرار لشکر جے پال کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا۔ امیر سبکتگین نے یہ حالات سنے لیکن وہ ہندوستانی فوجوں کی کثرت سے مطلق ہراساں نہ ہوا اور اللہ کے بھروسے پر تمام ہندوستان کی متحدہ فوجی طاقت سے بِھڑ گیا۔ اس کے وفادار مجاہدوں نے ہندوستانی لشکر کے پرخچے اڑا دیے اور کابل و پشاور کا تمام علاقہ سلطنت غزنی کے زیر اقتدار آگیا۔ راجہ اجے پال نے شرم کے مارے خودکشی کرلی، اس کے بعد اس کا بیٹا انند پال گدی نشین ہوا۔ ادھر امیر سبکتگین نے ۹۹۷ء میں وفات پائی اور اس کا اولوالعزم بیٹا محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔ انند پال نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے سلطان محمود غزنوی سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ پہلے تو وہ شکست

کھا کر اجمیر بھاگ گیا لیکن دوسرے سال ۱۰۰۶ء میں اس نے ایک زبردست لشکر جمع کیا جس میں گوالیا، اُجّین، اجمیر، دہلی اور قنوج کے راجاؤں کی فوجیں بھی شامل تھیں ۔ اس لشکر جرار نے پشاور کے قریب سلطان محمود کا مقابلہ کیا، نہایت خوفناک لڑائی کے بعد سلطان محمود نے انند پالی کی فوجوں کو شکست فاش دی اور کانگڑہ تک چڑھ آیا۔ اس کے بعد اس نے ہندوستان پر کئی حملے کیے۔ ۱۰۲۴ء میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اس میں اجمیر کے راجہ بیسل دیو نے شکست کھائی اور اسلام قبول کر کے تخت سے دست بردار ہو گیا۔ سلطان نے سالار ساہو کو اجمیر کا حاکم مقرر کیا اور خود واپس غزنی چلا گیا جہاں اس نے ۱۰۳۰ء میں وفات پائی۔

۱۰۴۴ء میں راجپوتوں کا ستارۂ اقبال پھر چمکا اور انہوں نے اجمیر کے مسلمان کے حاکم کو قتل کر کے سارنگ دیو کو اجمیر کی گدی پر بٹھایا، سارنگ دیو کچھ دنوں بعد مرگیا اور اجمیر کی حکومت راجہ انا دیو کے ہاتھ آئی۔ اس راجہ نے اجمیر میں ایک تالاب بنوایا جو آج بھی اناساگر کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ انا دیو کے بعد راجہ پرتھوی راج یا رائے پتھوار سریر آرائے حکومت ہوا، اس راجہ کے عہد میں اجمیر کو بڑا عروج حاصل ہوا اور اسی کے عہد میں ۱۱۹۲ء مطابق ۵۸۷ھ کو سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان میں نزول اجلال ہوا۔ پرتھوی راج نے تاراگڑھ کا قلعہ سنگ سرخ سے تعمیر کرایا تھا، یہ اتنا مضبوط اور خوبصورت قلعہ تھا کہ دوسری راجپوت ریاستیں اس پر رشک کیا کرتی تھیں۔ پھر ۱۱۹۱ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا پرتھوی راج اور دوسرے ہندو راجاؤں نے متحد ہو کر تراوڑی کے میدان میں اس کا مقابلہ کیا، سلطان لڑائی میں زخمی ہوا اور اس کی

فوج نے شکست دل ہوکر ہزیمت اٹھائی۔ سلطان کو اس شکست کا بہت قلق تھا اس لیے ۱۱۹۳ء میں اس نے پھر ہندوستان پر چڑھائی کی۔

پرتھوی راج اور دوسرے ہندو راجا (جن کی تعداد ایک سو پچاس کے لگ بھگ تھی) پورے ساز و سامان کے ساتھ پھر تراوڑی کے میدان میں مقابلے کے لیے تیار ہوکر آگئے، نہایت خوں ریز جنگ کے بعد ہندوستانی فوجوں کو شکست فاش ہوئی، پرتھوی راج اور بیس سے زائد دیگر راجا لڑائی میں کام آئے۔ اس فتح عظیم کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی اور اجمیر پر قبضہ کرلیا اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۸۰ء میں سلطان فیروز شاہ تغلق کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی اور تخت کے مختلف دعویداروں میں خانہ جنگی برپا ہوگئی۔ راجپوتوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ۱۴۰۰ء میں اجمیر پر قبضہ کرلیا۔ ۵۵ برس تک اجمیر پر میواڑ کے راجاؤں کا قبضہ رہا۔ پھر ۱۴۴۵ء میں مانڈو کے بادشاہ نے اجمیر فتح کرلیا۔ ۱۵۰۵ء میں دوبارہ راجگان میواڑ نے اجمیر پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کیا۔ ۲۸ سال کے بعد ۱۵۳۳ء میں گجرات کے بادشاہ نے ایک خوں ریز جنگ کے بعد اجمیر کو راجگان میواڑ سے چھین لیا لیکن اگلے ہی سال مارواڑ کے راٹھور خاندان نے سلطان گجرات کی فوجوں کو اجمیر سے نکال دیا اور ۱۵۵۶ء تک اجمیر پر حکومت کرتا رہا۔

۱۵۵۶ء میں شاہ جلال الدین اکبر نے اجمیر فتح کرلیا اور اس طرح سے سولہویں صدی کے وسط میں اجمیر طاقتور مغل سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ مغل بادشاہوں نے اجمیر کو بہت ترقی دی، یہاں انہوں نے عالیشان اور مضبوط عمارتیں بنوائیں اور بنفس نفیس آستانۂ خواجہ پر حاضری دیتے رہے۔ ۱۵۵۶ سے ۱۷۴۳ء تک کا زمانہ اجمیر کی تاریخ کا شاندار دور تھا۔

اسرار حق

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد مغل حکومت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا، تخت کے مختلف دعویداروں کی باہمی نزاع نے سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کردیں۔ مسلمان بادشاہ اور امرا تیر وسنان کے بجائے عیش ورباب سے دل بہلانے لگے۔

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملے نے رہی سہی کسر بھی نکال دی اور مغلیہ سلطنت کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ راجا اور نواب خود مختار بن بیٹھے اور ملک ٹکڑوں میں منقسم ہو گیا۔ تنزلی اور انحطاط کے اس دور میں ۱۷۴۳ء میں جودھپور کے راٹھور راجاؤں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر ۱۷۵۶ء میں گوالیار کا راجا سندھیا نے اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ پھر ۱۷۸۷ء تک اجمیر مرہٹوں کے قبضہ میں رہا۔ ۱۷۸۷ء میں راٹھوروں نے مرہٹوں کو اجمیر سے نکال دیا اور چار سال تک اجمیر پر قابض رہے۔ ۱۷۹۱ء میں مرہٹوں نے پھر اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۱۸ء میں بابو راؤ سندھیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوران ایک معاہدے کی رُو سے اجمیر ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۹۴۷ء تک اجمیر پر انگریزوں کی حکومت رہی، ۱۹۴۷ء ہی میں ہندوستان آزاد ہو گیا۔ اور اجمیر آج بھارت کا ایک اہم ترین شہر ہے جو خواجہ کل خواجگاں کی آرام گاہ اور پوری دنیا کے لیے مطمح نظر ہے۔ آج بھی ہندوستان کے اندر کرسی اور جاگیر کسے ملنی ہے وہ خواجہ غریب نواز انتخاب فرماتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ کرسی پر کوئی بھی ہو ہند کے راجا ہند الولی ہی ہیں، کرسی پر چاہے جو بھی براجمان ہو حکم تو میرے خواجہ ہی کا چلتا ہے۔

محمد سرفراز احمد مصباحی، اکڈنڈی، پریہار، سیتامڑھی (بہار)

۱۱/ربیع الغوث ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ

9598315181/9771212589 sarfarazmuj@gmail.com

عجائبات قرآن (چند حیرت انگیز باتیں جو قرآن سے متعلق ہیں) (محمد سرفراز احمد مصباحی)

یوں تو سارا قرآن ہی انسان کو غور و فکر کا بہت سا مواد اور ذخیرہ فراہم کرتا ہے لیکن چند پہلو ایسے ہیں جن کو عجائبات قرآن میں شمار کیا جا سکتا ہے، یہ چند نکات اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں: مثلاً اللہ تعالی نے قرآن مجید میں جس چیز کو جس کے برابر کیا ہے ان الفاظ کو اتنی ہی دفعہ دہرایا ہے اور جس کو جس سے کم کیا ہے اسی نسبت سے ان الفاظ کو بیان کیا گیا ہے اور اس دعویٰ کی بنیاد نہ تو اللہ تعالی کے فرمان یعنی قرآن مجید میں موجود ہے اور نہ ہی کسی حدیث یا صحابی کے اقوال میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ حال ہی میں جب کچھ مسلم اسکالرز نے اس جانب توجہ دی اور تحقیق فرمائی تو ان کو حیرت انگیز نتائج کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے سامنے قرآن مجید کا ایک معجزانہ پہلو نکھر کر سامنے آیا جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری کتاب میں ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات برملہ کہی جا سکتی ہے کہ کوئی اگر کمپیوٹر کی مدد سے بھی ایسا لکھنا چاہے تو ایسا نہیں لکھ سکتا اور یہی قرآن مجید کا امتیاز اور کمال ہے۔

قرآن مجید کے اندر حضرت عیسی علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام سے دی گئی ہے۔ قرآن میں ہے: " اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ " عیسٰی کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ ﴿آل عمران:۵۹﴾

معنی کے لحاظ سے یہ بات بالکل واضح ہے لیکن جب آپ قرآن مجید میں "عیسی" کا لفظ تلاش کریں تو یہ لفظ ۲۵ مرتبہ دہرایا گیا ہے اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا نام بھی ۲۵ ہی دفعہ دہرایا گیا ہے، یعنی معنی کے ساتھ دونوں پیغمبروں کے ناموں کو بھی یکساں طور پر درج

کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ الاعراف میں ہے: " وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا "اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کُتّے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔(الاعراف:۱۷۶)

یہ کلمہ " الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا " لفظ " کلب " کے ساتھ چار دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ پورے قرآن میں "کلب " یعنی کتا کا لفظ بھی چار ہی دفعہ دہرایا گیا ہے۔

اسی طرح سورہ فاطر میں فرمایا گیا: " وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ "اندھیرا اور روشنی ایک جیسے نہیں۔(فاطر:۲۰)

اندھیروں کو عربی میں " ظلمات "اور روشنی کو " نور " کہتے ہیں۔جب کہ پورے قرآن کے اندر لفظ " ظلمات "۲۶ مرتبہ جب کہ لفظ " نور " ۳۶ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اندھیرے کے مقابلے اجالے کو زیادہ پسند فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں "سبع سموات " یعنی سات آسمانوں کا ذکر سات مرتبہ ہی ہوا ہے اور ان آسمانوں کے بنائے جانے کے لیے لفظ "خلق "بھی سات ہی مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں لفظ "یوم " تین سو پینسٹھ مرتبہ جب کہ جمع کے طور پر " یومین " یا "ایام " کل تیس جگہ درج ہے اور لفظ "شھر "یعنی مہینہ بارہ جگہ مستعمل ہے کیوں سال کے پورے دن ۳۶۵ اور مہینے کے کل ایام ۳۰ اور ان کے کُل مہینے بارہ ہی ہوتے ہیں۔

اسی طرح لفظ " شجرۃ" یعنی درخت اور لفظ "نبات "یعنی پودے دونوں یکساں طور پر ۱۶ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق انعام دینے کا لفظ ۱۱۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے جب کہ معاف کرنے کا لفظ "مغفرۃ" دوگنی مرتبہ یعنی ۲۳۴ جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو معاف کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ "قل "یعنی کہو کو شمار کیا گیا تو وہ ۳۳۲ دفعہ شمار ہوا جب کہ لفظ "قالوا" یعنی وہ کہتے ہیں یا پوچھتے ہیں کو گنا گیا تو وہ بھی ۳۳۲ ہی مرتبہ قرآن میں دہرایا گیا ہے۔

اسی طرح لفظ "دنیا" ۱۱۱ مرتبہ اور آخرت کو ۱۱۳ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔ جب کہ لفظ "شیطان" ۸۸ مرتبہ اور لفظ "ملائکہ" یعنی فرشتہ کو بھی ۸۸ ہی مرتبہ لایا گیا ہے۔ لفظ "ایمان "۲۵ جب کہ لفظ "کفر "بھی ۲۵ ہی دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اور لفظ "جنت "اور "جہنم" دونوں یکساں طور پر ۷۷ مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔ لفظ " زکوۃ "یعنی پاک کرنا اور لفظ "برکات" یعنی برکت کو بھی ۳۲ ہی دفعہ دہرایا گیا ہے۔ اور لفظ "ابرار "یعنی نیک لوگ ٦ دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں لفظ "الفجار" یعنی برے لوگ کو ۳ ہی مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اور لفظ "خمر "یعنی شراب قرآن میں ٦ مرتبہ استعمال ہوا ہے جب کہ لفظ "سکاریٰ "یعنی نشہ یا شراب پینے والا بھی ٦ ہی دفعہ دہرایا گیا ہے۔ اور لفظ "لسان "یعنی زبان کو ۲۵ دفعہ اور لفظ "خطاب" یعنی بات یا کلام کو بھی ۲۵ ہی دفعہ دہرایا گیا ہے۔

اسی طرح لفظ "منفعت "یعنی فائدہ اور ان کے متضاد لفظ "خسران" یعنی نقصان کو یکساں طور پر ۵۰/۵۰ دفعہ لایا گیا۔

اور لفظ "محبت "یعنی دوستی اور لفظ "اطاعت "یعنی فرماں برداری دونوں کو مساوی طور پر ۸۳ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔ اور لفظ "مصیبت "یعنی تکلیف یاغم ۷۵ مرتبہ جب کہ اس کے متضاد لفظ "تشکر" یعنی شکر گزار ہونا یا حق بات ماننا کو بھی ۷۵ ہی مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ "امراۃ" یعنی عورت ۲۳ جگہ جب کہ لفظ "رجل" یعنی مرد دونوں یکساں طور پر ۲۳/۲۳ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ان الفاظ کا اتنی ہی مرتبہ دہرانا بڑا دلچسپ اور حیران کن ہے کیوں کہ جدید سائنس کے مطابق انسانی تشکیل میں بھی ۴۶ کروموسوز حصہ لیتے ہیں اور ۲۳ کروموسوز ماں کے اور ۲۳ ہی کروموسوز باپ کے ہوتے ہیں۔ ایک مرد کے جرثوم میں تو دوسرے عورت کے بیضہ میں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں دہرائے گئے ان الفاظ کے جدید سائنس کے ساتھ مطابقت بڑی معنیٰ خیز ہے۔

لفظ "صلوٰۃ" یعنی نمازیں ۵ دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو دن رات میں پانچ وقت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لفظ "انسان" یعنی آدمی اور " بشر "کا لفظ ۶۵ مرتبہ دہرایا ہے جب کہ انسان کے تشکیل کی سب مراحل کو ۶۵ ہی مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

ان مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے: " تراب" یعنی مٹی ۱۷ دفعہ، " نطفہ" یعنی منی کا قطرہ ۱۲ دفعہ، " علق" یعنی خون بستہ ٦ دفعہ، "مضغہ" یعنی بوٹی ۳ دفعہ، "عظام" یعنی ہڈیاں ۱۵ دفعہ، " لحم "یعنی گوشت ۱۲ دفعہ، استعمال ہوا ہے۔ کل مجموعہ ٦۵ ہوتا ہے اس لیے ان الفاظ کے درمیان مطابقت بڑی چیز ہے۔

اسی طرح لفظ "ارض" یعنی زمین کو ۱۳ دفعہ جب کہ لفظ "بحر" یعنی سمندر کو ۳۲ مرتبہ لائے گئے۔ ان دونوں کا مجموعہ ۴۵ بنتا ہے۔ لہٰذا ان کی نسبت کو جاننے کے لیے زمین اور سمندر کی انفرادی عدد کو ان دونوں کے مجموعے سے تقسیم کرتے ہیں تو درج ذیل نتیجے سامنے آتے ہیں:

زمین کے لیے 45۔13٪ 9 100=28،88888888

سمندر کے لیے 45۔13٪ 71,11111111 =100

درج بالا حاصل ہونے والا نتیجہ جدید سائنس کے عین مطابق ہے جس کے مطابق زمین پر 71 فیصد حصہ پانی کا جب کہ 29 فیصد حصہ خشکی کا پایا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس کے بعد بھی عالم انسانیت پر پرکھنے کے باوجود اس کی دی ہوئی معلومات صد فیصد صحیح ہے۔ اور یہ عظیم تحفہ یعنی قرآن مجید عقل انسانی کو مسلسل ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوا ہے اور یقیناً یہ غور و فکر کا واحد منبع ہے اور اس کے انکشافات اور رموز و نکات مسلسل کھلتے جارہے ہیں۔

محمد سرفراز احمد مصباحی، اکڈنڈی، پریہار، سیتامڑھی (بہار)

۱۱/ربیع الغوث ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ

9598315181/9771212589

sarfarazmuj@gmail.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عصرِ حاضر اور تصوف کی معنویت (ڈاکٹر التفات امجدی)

تاریخِ اسلام میں چودھویں صدی ہجری علاماتِ قیامت کی حامل بتائی گئی ہے۔ یعنی اقدارِ حیات کی پامالی، اخلاقیات کی تباہی، اختراعات کا شیطانی اور بے ہودہ استعمال، شرم و حیا کا فقدان اور غیر فطری افعال کا برملا ارتکاب وغیرہ ۔ مختصر یہ کہ انسانیت سوز حرکتیں، بدکاریوں کی کثرت، قتل و خون خرابہ کی زیادتی۔ اب تو چودھویں صدی بھی گزر چکی اور پندرھویں صدی کی بھی چار دہائیاں ہو چکیں۔ ہندو عقائد کے مطابق کلجگ ختم ہو چکا اور بھٹ جگ رواں ہے۔ اشرف المخلوقات کی زبوں حالی، بے پناہی، لامذہبیت اور داستان خوں چکاں پر گریہ کناں ۔

تاریخ شاہد ہے کہ معاشرے میں جب کبھی ایسی عبرتناک صورتِ حال پیدا ہوئی تو صرف عقیدۂ توحید و رسالت کی تبلیغ و اشاعت ہی امن و آشتی کا نسخۂ کیمیا اور ہدایت کا سرچشمہ ثابت ہوئی ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس ہی درماندہ گان کے لیے نجات کا ذریعہ بنی۔ شریعت کے ساتھ ہی طریقت یعنی عرفان و تصوف کی تعلیم ہی دلوں کا سکون اور راحت جاں ہوئی۔ صوفیائے کرام دنیا کے ہر خطے میں مُداوا ے انسانیت بن کر پھیلتے رہے۔ تصوف و طریقت کے سلسلوں میں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلے معروف و مشہور ہیں۔ ہندوستان میں ان کی ترویج و اشاعت صدیوں سے جاری ہے۔ وطن عزیز میں آج اس کے تقاضے اور بڑھ گئے ہیں۔ عطائے رسول خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو تقدّم حاصل ہے۔ شاخ در شاخ تصوف وطریقت کا یہ سلسلہ (نظامیہ ، صابریہ) پھولتا پھلتا رہا اور ہنوز فیض رسانی جاری ہے۔

تصوف وہ علم ہے جو قلوب کو مجلّٰی و مصفّٰی کر دیتا ہے۔ اس لفظ کا مادّہ ہی صوف اور صفا ہے، کہتے ہیں:

تا دل نہ کرے صاف مئے صاف سے صوفی کچھ سود و صفا علم تصوف میں نہیں ہے

صوفیا ہمیشہ تزکیہ نفس اور صفائے باطن پر زور دیتے ہیں۔ دل ہی خانۂ خدا ہے اسی میں تجلیات الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ فرماتے ہیں ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پھر کہتے ہیں۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

اور یہی مقصد تخلیق انسان ہے۔

ہندوستان عہد قدیم سے مختلف مذاہب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں ظہور اسلام کے بعد صوفیائے کرام کی آمد سے اصلاح معاشرہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر نفوس قدسیہ مامور من اللہ ہوئے جن میں سب سے نمایاں نام عطائے رسول، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا ہے۔ آپ کے سلسلے میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ اور مخدوم الاولیا حضرت مخدوم سیدنا علاء الدین صابر کلیری قدس سرہٗ کے اسمائے گرامی آسمان تصوف و طریقت پر شمس و قمر کی طرح روشن و تاباں ہیں۔ ان بزرگوں نے ہندوستان میں صدق و صفا کی وہ قندیلیں روشن کیں جن سے گمراہوں اور بت پرستوں نے نورِ ہدایت حاصل کیا اور فروغ انسانیت کی کوششوں میں لگ گئے۔ تصوف دراصل پیغام عشق و محبت اور حق و راستی ہے۔ یہ دلوں سے نفرت و عداوت، بغض و

حسد اور رعونت و تکبر کو دور کرتا ہے۔ تکبر و غرور ہی کفر و ضلالت کا نشان ہے۔ صوفیا خَلقُ اللہ سے ہمدردی، محبت اور انسان دوستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ دوسری قوموں اور مذاہب سے نفرت دور کرتے ہیں۔ وہ لکم دینکم ولی دین " کے قائل ہیں۔

مشہور ہے کہ ہندوؤں کے تہوار چھٹھ کے موقع پر جب ہنود سورج کی پرستش کے لیے دریائے جمنا کے کنارے جمع ہوئے تو ایک بار حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء اپنے چہیتے مرید امیر خسروؒ کے ساتھ مشاہدے کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے اندازِ پرستش کو دیکھ کے فرمایا۔ ع

ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے

معًا حضرت امیر خسروؒ نے اپنے پیرو مرشد کی طرف اشارہ کرکے برجستہ فرمایا۔ ع من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

الغرض پیار و محبت، ہمدردی، انسان دوستی، حق گوئی، راست بازی ہی صوفیا کا مشن ہے۔ آج اپنے ملک کے زہرناک، نفرت انگیز، اسلام بیزار، فرقہ پرست اور مسموم ماحول کا اگر کوئی صحت بخش و قابلِ اعتماد علاج ہے تو وہ صرف ترویجِ تصوف اور اخلاقی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت ہی ہے

؎ ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں ‏ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

خسرو نے کیا خوب کہا تھا

؎ کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست ‏ ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنّار نیست

حافظؔ سے منسوب یہ شعر بھی کیا کم ہے۔

اسرار حق

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام   بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

وصال کی لذتیں کون نہیں چاہتا اور فراق کی کربناکیاں کسے پسند ہوں گی ؟ یہی تو تخلیقِ انسانی کی غایتِ بے نہایت ہے۔

مولانا روم نے کہا۔ تو برائے وصل کردن آمدی   نے برائے فصل کردن آمدی

آج عالمی سطح پر انسانی معاشرہ جس طرح بکھر رہا ہے اس کا مداوا صرف اور صرف تصوف اور صوفیائے کرام کے ا ر شادات پر عمل کرنے میں ہے جن کے لیے ہمیں ان مراکز کی طرف رجوع کرنا ہوگا جہاں ان ارشادات کو ذہن نشیں کرا یا جاتا ہے کیونکہ ان کا تعلق احکامِ خداوندی اور فرموداتِ نبوی سے مربوط ہے ۔

بنی آدم اعضائے یک دیگرند   کہ در آفرینش زیک جوہراند

ڈاکٹر التفات امجدی

Khanquah Amjdia, Station Road,Siwan Bihar 841226

Mob:9934497795– Email: iltefatamjadi95@gmail.com

حضرت سید شاہ مخدوم بشیر احمد تاجی چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور معمولات زندگی

(محمد سرفراز احمد مصباحی)

راقم الحروف (محمد سرفراز احمد مصباحی) کی کتاب " مختصر سوانح سلف "جس کا رسم اجرا سال گذشتہ ۲۷/جنوری ۲۰۱۸ء کو عرس صابری کے موقع پر خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ دھموارہ شریف میں ہوا تھا۔ اس میں سید شاہ مخدوم بشیر احمد تاجی چشتی فریدی صابری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح بیان کی جا چکی ہے۔اب ان کے معمولات زندگی کی کچھ اور جھلکیاں ذیل میں درج ہیں:

آپ رحمۃ اللہ علیہ اکابرین، سلف صالحین، بزرگان دین اور مشائخ عظام کی علمی، عملی اور زندہ و جاوید تصویر تھے، ان کی تعلیمات کو عام و تام کرنا، فرمودات پر عمل کرنا آپ کا خاص وصف اور طرۂ امتیاز تھا۔ شب بیداری، عبادت گذاری سرمایہ آخرت تھا۔ تا دم اخیر شب بیداری، تہجد گزاری میں مصروف رہے صبح کو بیدار ہوتے تو صلوۃ الاوابین اور چاشت کی نماز پڑھنا عام عادت تھی۔ ذکر بالجہر کثرت کے ساتھ کیا کرتے، خواہ کسی مجمع میں یا خلوت میں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وردِ زباں ہوتا، ہر مرید اور عوام و خواص کو ذکر بالجہر کی تلقین کرتے اور فرماتے یہی کلمہ ایمان واعتقاد کے بہار کی ضمانت اور جنت کی سیر اور بخشش کی ضمانت گارنٹی کے ساتھ عطا کرتا ہے بلکہ کلمہ ایمان کی بنیاد ہے۔

ذکر بالجہر کے ساتھ آپ حضور صابر پاک رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے اکتساب فیض کے لیے یہ خمسہ مؤلفہ (خواجہ محمد حسین معشوق الہی رحمۃ اللہ علیہ) جی بھر کے پڑھا کرتے جس کو یہاں ذیل میں افادہ کی غرض سے بیان کر رہا ہوں۔

یہی پڑھتا ہے ہر مردِ بہشتی　　یہی کہتا ہے ہر مرد کنشتی　　بدل خوبی سے ہو سب میری زشتی
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

تمھارا نام ہے وہ اسم اعظم　　کہ مٹ جاتا ہے جس سے درد اور غم　　وظیفہ ہے میرا ہر لحظہ ہر دم
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

بھلا میں کیا کہوں کہ تم سے کیا ہے　　جناب عشق کا یہ ولولہ ہے　　جواب دل سے یہی آتی صدا ہے
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

کسی دن تفرقہ پکڑے ہے داماں　　کبھی جمعیت خاطر فراواں غرض اس حال میں ہوں سخت حیراں
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

تحیر بخش ملک طلسمات　　کبھی کچھ ہے کبھی کچھ اور حالات　　اسی باعث یہ پڑھتا ہے مناجات
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

طریقت بحر بے پایاں ہے یا شاہ　　حقیقت سخت ترمیداں ہے یا شاہ　　حسن اس واسطے حیراں ہے یا شاہ
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حسن دل سے تمھارا خاک پا ہے　　حسن تم پر ازل سے مبتلا ہے　　حسن کا یہ ورد یہ صبح و مسا ہے
بگردابِ بلا افتادہ کشتی　　مددکن یا علاؤالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

جہاں ان تمام اوصاف میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کامل تھے وہیں آپ کا خاص وصف یہ بھی تھا کہ آپ کشف میں ماہر اور پردہ پوشی اور اخلاص و محبت کے پیکر تھے۔

ایک دفعہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت سید بختیار حسن صابری چشتی (خلیفہ و جانشین) کے یہاں دہلی تشریف لے گئے، جس حجرے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا وہاں سے ایک چور نے کچھ ضروری اور قیمتی سامان چُرا لیا اس میں آپ کے صاحبزادے سید بختیار حسن کے اوراد و وظائف کی کچھ کتابیں بھی رکھی تھی وہ بھی گم ہوگئی اس پر صاحبزادے کو فکر لاحق ہوئی تو

آپ نے انہیں سمجھایا کہ غم مت کریں جس کو ضرورت تھی وہ اپنی ضرورت کا سامان لے گیا۔ آپ صبر کریں اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے بہترین لازوال خوبیوں سے نوازے گا یہ جملہ سن کر سید صاحب قبلہ کا غم ہلکا ہوا اور قلبی سکون میسر ہوا۔

چوری کے دو دون بعد صبح کے وقت ایک شخص آیا جس کے پورے جسم میں چھالا (آبلے) پڑے تھے، وہ بڑا پریشان تھا اس کے پورے جسم میں جلن اور شدت کا درد تھا۔ آنے والے شخص نے اپنی پریشانی بیان کی حضرت سید مخدوم بشیر احمد چشتی نے اس مریض کو پانی دم فرما کر دیا جیسے ہی اس نے پانی نوش کیا، اس نے راحت اور جلن میں کمی محسوس کی پھر وہ چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے سید بختیار حسن سے فرمایا: بیٹا یہی تو چور تھا جو تمھارا سامان چرا کر لے گیا ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا: ابا حضور وہ چور تھا پھر بھی آپ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ یہ سن کر ابا حضور نے فرمایا: بیٹے چوری اس نے کی یہ اس کا عمل تھا میرے دروازے پر وہ مہمان کی حیثیت سے حاضر تھا مزید یہ کہ وہ فریادی اور سوالی بن کر آیا تھا، اس وقت اُسے امداد اور محبت کی ضرورت تھی۔

پھر آپ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بیان فرمایا: امام حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل اور دشمنان اہل بیت میں سے ایک شخص بارگاہ زین العابدین رضی اللہ عنہ میں پانی پینے کی غرض سے حاضر ہوا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے پانی کا پیالہ دیا تو دشمن رسول نے کہا: اے ابن حسین! تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ ابن حسین نے فرمایا: میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں تم نے ہی تو میرا گھر اجاڑا ہے، اور تو ہی اہل بیت کا قاتل ہے، اس دشمن نے کہا اس کے باوجود آپ نے میری ضیافت اور شدت پیاس کے باوجود پانی پلایا؟ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ تیرا سلوک اور تیری مہمان نوازی تھی، ابھی تو میرے یہاں مہمان ہے اور آل رسول کسی کو بھوکے پیاسے نہیں لوٹاتے۔

ابا حضور نے عرض کیا کہ دشمن اور پریشان حال کی مدد کرنا آل رسول کے گھروں کی قدیم روایات میں سے ہے، اس لیے میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ پھر کیا تھا ایک ہی دن گزرے تھے کہ اس چور نے آپ کا سامان آپ کے کمرے میں لاکر رکھ دیا۔

اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعے کشف یہ جان لیا تھا کہ یہی چور ہے۔ساتھ ہی ساتھ اہل اللہ کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کی پردہ پوشی کرکے ان سے اخلاص کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ان تعلیمات کی روشنی میں آپ ایک مخلص، مجاہد اور صبر و شکر میں کامل و اکمل نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالی امت مسلمہ پر آپ کا فیضان جاری و ساری فرمائے۔ آمین

محمد سرفراز احمد مصباحی، اکڈنڈی، پریہار، سیتامڑھی (بہار)

۱۱/ربیع الغوث ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ

9598315181/9771212589/sarfarazmuj@gmail.com

اسرار حق

حضرت سید عبد المالک سیوانی رحمۃ اللہ علیہ تعارف وحالات

(محمد سرفراز احمد مصباحی)

نام ونسب: اسم گرامی عبد المالک بن حافظ عین الحق بن حاجی مراد بخش، اور والدہ کا نام اصغری خاتون تھا۔ داداجان نے آپ کا نام عبد المالک رکھا۔

سن ولادت: آپ کی تاریخ پیدائش ۲۹/ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء پیر کو قصبہ سادات پور سیوان میں ہوئی۔ دادا مرحوم نے فرمایا کہ امام مالک نام کے ایک بہت بڑے فقیہ اور مجتہد گزرے ہیں۔ انہیں کے نام سے اس کا نام رکھتا ہوں۔ انشاء اللہ یہ میرا پوتا بھی بلند پایہ عالم دین ہوگا۔

تعلیم وتربیت: آپ کے آباؤاجداد کا تعلق سادات کرام سے تھا۔ معاشی حالت اگرچہ کمزور رہی لیکن شرافت نجابت میں قصبہ سادات پور کا یہ گھرانہ مشہور تھا۔ گھر کا ماحول اسلامی قوانین و ضوابط کا پروردہ تھا۔ والد ماجد اور جد کریم انتہائی مذہبی اور دینی مزاج رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن سے شروع ہوئی۔ چنانچہ آپ نے بنیادی تعلیم اور ساتھ ہی ساتھ فارسی کی ابتدائی تعلیم کی تکمیل بھی والد ماجد سے فرمائی۔ والد محترم کا ایک بڑا حلقہ دربھنگہ میں موجود تھا اسی لیے والد محترم نے قلعہ گھاٹ کے مدرسہ حمیدیہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے داخل کروایا۔ آپ نے محدث کانپور مفتی رفاقت حسین سے فقہ و حدیث، قرآن و تفسیر اور مختلف علوم وفنون میں کامل درک حاصل کیا۔

خاندانی حالات: آل رسول اور سادات گھرانہ ہونے کی وجہ سے فیضان ابن علی اور آل فاطمہ زہریٰ رضی اللہ عنہا سے شادکام تھے۔آپ کے گھرانہ اوراہل خاندان میں صاحب کشف و کرامت بزرگ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ خالص دینی ماحول ،احکام شریعت کی پابندی،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آل رسول کی محبت میں سرشار تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں ایک بڑے بزرگ، باکرامت،اور جلالی شخصیت سید سعد اللہ شاہ مہاجر مکہ رحمۃ اللہ علیہ جو داتا پیر کنگالی شاہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں جن کا مزار مبارک مظفر پور ضلع کے بھٹگواں شریف میں واقع ہے۔

داتا پیر کنگالی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادی تھیں، بڑی صاحبزادی کی شادی سید شاہ خدابخش رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، جن سے دو صاحبزادے ہوئے ایک سید قربان علی اور دوسرے سید رجب علی اور سید قربان علی کے ایک صاحبزادے سید خیرات حسین اور سید خیرات حسین کے دو صاحبزادے ایک سید مراد بخش اور دوسرے سید عبدالجلیل تھے۔ دادا محترم سید شاہ مراد بخش رحمۃ اللہ علیہ کو دیار رسول اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ انسیت تھی، اس لیے دادامحترم چھ مرتبہ حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔لیکن مدینہ شریف سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ کے دادا سید مراد بخش ساتویں دفعہ حج بیت اللہ کو گئے تو تمنائے دل پوری ہوئی اور اجل نے خاک مدینہ میں رہنا پسند کیااور دوران حج آپ واصل بحق ہوکر معبود حقیقی سے جا ملے۔

سید مراد بخش سے تین لڑکے ہوئے ایک سید عین الحق دوسرے سید عبدالحق اور تیسرے سید محمودالحق تھے۔

سید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم، صوفی، مبلغ اور سنیت کی تعمیر کرنے والے بزرگ تھے۔ علم وعمل، تقویٰ پرہیزگاری، اتقاء، تصلب فی الدین اور اخلاص و محبت کے پیکر تھے۔ پھر سید عین الحق سے تین لڑکے ایک سید عبد المعبود دوسرے سید مسعود عالم اور تیسرے سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ سید عبد المعبود کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید عرفان الحق رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم اور متقی عامل تھے جن سے سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ کو بے پناہ انیست و محبت تھی جس کی وجہ سے آپ انہیں کی وصال کی تاریخ میں انتقال ہونے کی دعا کرتے تھے، سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ساری دعاؤں میں سے یہ دعا بھی مقبول ہوئی، حضرت مولانا سید عرفان الحق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۶/جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۳/جولائی ۲۰۰۶ء بروز جمعرات کو ہوا اور ٹھیک اسی تاریخ اور دن یعنی ۱۶/جمادی الثانی ہی کو سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وصال ہوا۔

حضرت سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی سید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و جانشین تھے اور تادمِ اخیر آپ رحمۃ اللہ علیہ والد گرامی کے تبلیغ و ارشاد، رشد و ہدایت اور اشاعتِ اسلام کے خصوصی مشن پر کام کرتے رہے۔

۲۳ سال کی عمر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ۱۳۷۰ھ میں سیدہ زاہدہ خاتون بنت سید طہور الدین سے ہوئی۔ آپ کی اہلیہ لالہ چھپرا ضلع چمپارن کی رہنے والی تھیں۔

سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ کے بطن سے دو صاحبزادے سب سے بڑے سید عبد الخالق (ولادت ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۵۴ء بروز اتوار) دوسرے سید مظاہر الحق (ولادت ۹ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۷ جون ۱۹۵۸ء بروز جمعہ) تولد ہوئے۔

اور ایک صاحبزادی اسم بامسمیٰ سیدہ شمیمہ خاتون (ولادت ۱۵ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۱ نومبر ۱۹۵۵ء بروز منگل) جن کا نکاح جناب نیاز الدین صاحب سے ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔

خاندانی عظمت و بزرگی: آج سے تقریبا ۷۰/سال قبل کی ایک تاریخ جو آپ کے اہل خانہ کے جاہ و جلال اور عظمت و بزرگی پر مشتمل ہے۔ جن کے راویان سید نظر عالم سیوانی (داماد سید مولانا عرفان الحق) سید بختیار حسن (داماد مولانا سید عرفان الحق) حضرت مولانا قیس مصباحی صاحبان ہیں۔ ان تمام حضرات نے سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ اس کے علاوہ دیگر شاہد و گواہ موتی گیر پرسا ضلع مہوتری نیپال کے کثیر مرد و عورت بھی ہیں جن سے خود راقم الحروف (محمد سرفراز احمد مصباحی) نے بھی یہ واقعہ کثرت کے ساتھ سنا ہے۔

سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی سید عبد المعبود صاحب جن کے حلقۂ ارادت میں موتی گیر پرسا خصوصی طور پر شامل تھا جہاں آپ کثرت کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا اس گاؤں میں جانا ہوا آپ کی امانت میں وہاں کے لوگوں نے بغیر اجازت کچھ خیانت کر دی جب آپ نے اس کی پوچھ گچھ کی تو لوگوں کا برتاؤ تیز اور گستاخانہ تھا جو آپ کو بالکل پسند نہیں۔ رعب و جلال طاری ہوا اور وہاں سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک ندی کے پاس تشریف لے گئے، اس کے بعد ندی نے اپنا رخ بدلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ندی کا سارا پانی موتی گیر پرسا گاؤں اور اس کے حدود و اطراف میں جمع ہو گیا اور پورا گاؤں بربادی و ہلاکت کے دہانے پر چلا آیا اور موتی گیر پرسا سات حصوں میں منقسم ہو گیا صرف وہی کُٹیا محفوظ تھی جس میں سید عبد المعبود کا قیام ہوا کرتا تھا۔

کچھ عرصے بعد جانشین رضا حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی آمد موتی گیر

پرسامیں ہوئی، وہاں کے بزرگ نے آپ سے اس پانی کے مصائب کا تذکرہ کر کے اس کے حل کا عریضہ پیش کیا، حضور مفتیٔ اعظم ہند نے ان کی گذارشات پر اس کا حل کرنا چاہا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ آپ نے ندی کا رخ کیا، جب آپ ندی کے پاس پہنچے تو آپ نے ندی کے اندر اپنا ایک پاؤں ڈالا اور فوراً ہی نکال لیا اور فرمانے لگے: " اس گاؤں والوں پر کسی سید گھرانے کی بد دعا لگی ہے اور یہ معاملہ ان سے یا ان کے گھر کے کسی بچے کو لاکر دعا کرائی جائے تبھی مسئلہ حل ہوگا"۔ لہٰذا اس کا حل وہ سادات ہی کر سکتے ہیں۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔

یہ بات سن کر لوگ حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے اور لوگوں نے چھان بین شروع کر دی۔ اخیر میں عوام اس نتیجے پر پہنچی کہ سادات میں سے یہاں صرف سیوان کے آل رسول تشریف لاتے ہیں۔ چناں چہ کچھ لوگوں کی ٹولی سادات پور سیوان پہنچی، پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ سید عبدالمعبود کا وصال ہو چکا ہے۔

سید عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ جو ابھی جوانی کے ایام میں تھے یہ سن کر اپنے آپ کو روک نہیں سکے، آپ نے فوراً موتی گیر پرسا جانے کا قصد فرمایا۔ وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ سید عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ نے جیسے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شروع کیا ویسے ہی پانی کا گھٹنا اور کم ہونا شروع ہو گیا، حتیٰ کہ دعا کے اختتام پر سارا پانی ختم ہو گیا اور دوبارہ ندی نے اس گاؤں سے اپنا رخ موڑ لیا۔

آج موتی گیر پرسا کے حالات علمی، عملی، معاشرتی، اور دیگر پہلوؤں میں بھی عمدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی تعداد وہاں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

سفرِ حجاز مقدس: سید عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ تین مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے یعنی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تین حج ادا کیا۔ پہلی بار آپ ۱۹۷۰ء میں دوسری مرتبہ ۱۹۸۰ء میں اور تیسری دفعہ ۱۹۸۵ء میں حج کا فریضہ ادا فرمایا۔

مشاغل: تعلیم و تعلم سے فراغت کے بعد ہمیشہ آپ کا یہ خیال رہا کہ تبلیغ اسلام سے قوم و ملت کی خوابیدہ قسمت کو ضرور بیدار کروں گا اور حتی الوسع دینی خدمات فی سبیل اللہ انجام دوں گا ۔ملک اور بیرون ملک بالخصوص نیپال اور شمالی بہار کے علاقے سیتامڑھی، اکڈنڈی، مسہا، موجولیا، موتی گیر پرسا اور سمستی پور میں آپ کے مریدوں کی تعداد بے شمار ہے یہی وجہ ہے کہ پورے بہار بالخصوص نیپال کے علاقے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قربانیوں کی کئی یادیں آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ ادارے اور مساجد کی تعمیر آپ کا خصوصی طرہ تھا کیوں کہ یہی ادارے اور مساجد تعلیم و تعلم، تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ صوبہ بہار کے شیر مفتی اسلم صاحب قبلہ معروف بہ "شیر بہار" کے ادارے کی بنیاد آپ نے شہزادہ اعلیٰ حضرت جانشین رضا مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں آپ نے جامعہ قادریہ مقصود پور کا سنگ بنیاد رکھا۔ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے کہا: آپ آل رسول ہیں اس لیے پہلے آپ اس کی بنیاد ڈالیں ، یہ سن کر آپ نے اس ادارے کا سنگ بنیاد ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ آج چمن شیر بہار لہلہا رہا ہے ، اس علوم و فنون کی باغ و بہار میں طلبا سیراب ہو رہے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت کے ساتھ اداروں کی سنگ بنیاد کا فریضہ انجام دیا۔ اور اسّی (۸۰) سے زائد مساجد کی بنیاد ڈال کر دین و سنیت کا کام بحسن و خوبی انجام دلوایا۔

بیعت و ارادت: آپ کو شرف بیعت اپنے والد گرامی حضرت سید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے۔ انہوں نے مرید کر کے خلافت سے نوازا۔

کیفیت وصال: کون جانتا تھا کہ ۱۶/جمادی الثانی کا دن دنیائے سنیت کے لئے رنج والم کا سامان لئے آرہا ہے۔ کسے معلوم تھا کہ اس ماہ میں دین کا ایک ستون گر جائے گا۔ کون جانتا تھا کہ ایک عاشق رسول اپنی جاں جان آفریں کے سپرد کر کے عقیدت مندوں کو روتا بلکتا چھوڑ جائے گا۔ کسے پتہ تھا کہ اتنی جلدی موت کے بے رحم ہاتھ پہنچ جائیں گے۔ کس کو گمان تھا کہ ایک درویش کامل اور مرد مجاہد کا پروانۂ اجل بھیجا جا چکا ہے۔ کسے خبر تھی کہ ۱۷/مارچ ۲۰۱۷ء کا سورج نہیں غروب ہو رہا بلکہ لاکھوں اشخاص کا دل بحر نامراد میں غرقاب ہو رہا ہے۔

وفات سے ایک روز قبل شام کو مظفر پور کے کچھ مریدین حضرات ملاقات اور زیارت کی غرض سے یہ امید لے کر آئے تھے کہ اب حضرت جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گے بلکہ دس بجے صبح کا سکون آپ کے شیدائیوں کے لیے خوش آئند مستقبل کا ضمانت بنا ہوا تھا۔ مظفر پور سے آنے والے مریدین آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۶/جمادی الثانی کی صبح ساڑھے سات بجے جانے کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ رک جاؤ تین گھنٹے بعد تو تمہیں کوئی بھی نہیں روکے گا، لیکن جانے کے اصرار پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اجازت دے دی لیکن جیسے ہی یہ حضرات سون پور پہنچے ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ حضرت اب دنیا میں نہیں رہے، خود بخود سون پور سے اتر کر دوبارہ سیوان کے لیے واپس آنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے خیریت دریافت کرنے کی غرض سے دوبارہ فون کیا کہ حضرت ٹھیک ہیں نا؟ آپ کے بڑے صاحبزادے سید عبد الخالق نے نفی میں جواب دے کر یہ فرمایا کہ ابا حضور اللہ تعالیٰ کو پیارے

ہو گئے۔ اتنا سننا تھا کہ مریدین حضرات کو حضرت کی ایک ایک بات یاد آنے لگی کہ کاش! میں رک گیا ہوتا۔

جب انہوں نے حضرت کا کہا ہوا وقت ملایا تو ٹھیک ساڑھے دس بج رہے تھے کہ حضرت مالک حقیقی کو پیارے ہو گئے تھے۔

اسی طرح آپ کی وفات سے ۱۵ دن قبل آپ کے دوسرے والے صاحبزادے سید مظاہر الحق سعودی جانے کے واسطے تیار تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹے! کہاں جا رہے ہو ؟صاحبزادے نے عرض کیا: ابا! چھٹی کی میعاد پوری ہو گئی ہے اب مجھے وہاں جانا ہو گا۔ اس پر والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیٹا آپ نے سب کچھ کر ہی دیا ہے ایک چیز اور باقی ہے وہ بھی کرتے جاؤ۔ (آپ کا اشارہ تجہیز و تکفین کی طرف تھا)

بیٹے نے عرض کیا: ابا آپ جلد ہی رو بہ صحت ہو جائیں گے، اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیوں جا رہے ہو پھر تمہیں پندرہ دن بعد واپس آنا ہی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا تھا اس کے مطابق ٹھیک پندرہ ہی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

خاص وفات کے دن آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے سید عبد الخالق سے فرمایا: بیٹا قبر کھودنے والوں کو بلوا دو، اس پر صاحبزادے نے عرض کیا کہ ابا کس کے لیے؟ حضرت نے فرمایا: میری قبر کھودنے کے لیے۔ یہ سن کر صاحبزادے نے کہا ابا ابھی آپ کو کچھ نہیں ہو گا لیکن اللہ والے حقیقت حال سے واقف ہو جاتے ہیں۔ بہر حال آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اہلیہ سیدہ زاہدہ خاتون سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے صاحبزادے گورکن کو بلانے نہیں جائیں گے آپ ہی کسی کو بھیج کر انہیں بلوائیں۔ گورکن لائے گئے۔ ان لوگوں نے پوچھا

حضرت کن کی قبر کھودنی ہے؟اس پر حضرت نے فرمایا: میری۔ گورکن حضرات یہ سن کر دم بخود ہو کر رہ گئے آپ کی آواز و انداز میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے آپ بھلے نظر آرہے ہیں، آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں؟ یہ کہہ کر گورکن واپس چلے گئے۔ لیکن زبان سے نکلی ساری باتیں سچ ہوتی چلی گئی۔

وصال سے آدھا گھنٹہ قبل آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے لیے پانی مانگا لیکن آج معمول کے خلاف آپ نے بیس منٹ تک وضو فرمایا، دانتوں کو خوب رگڑ رگڑ کر صاف کیا اس پر آپ کے صاحبزادے سید عبد الخالق نے پوچھا ابا حضور کیا بات ہے؟ کافی دیر سے وضو فرمارہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیٹے سب کچھ تم ہی جان جاؤ گے۔ وضو سے فراغت کے بعد آپ نے بستر پر لٹانے کا حکم دیا اور بڑے صاحبزادے سے فریاکہ میرے سرہانے سے تکیہ ہٹالو۔ اس پر صاحبزادے نے کہا: ابا آپ کبھی بغیر تکیہ کے سوئے نہیں آج فرمارہے ہیں تکیہ ہٹالو۔ کیا بات ہے؟ آپ نے صاحبزادے سے غایت محبت سے فرمایا بیٹے تم بہت ضدی ہو گئے ہو۔ آپ کی بھتیجی سیدہ شکیلہ نے کہا: ابا کوئی نرم یا چھوٹا تکیہ لا دوں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیٹے اب مجھے ان تکیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ ذکر بالجہر کرنے لگے۔ چوں کہ ذکر بالجہر کرنا معمول تھا اس لیے موجود اہل خانہ نے سوچا کہ یہ تو ابا کی عادت ہے۔ اس لیے سب لوگ بے فکر تھے لیکن دس منٹ بعد ہی لا الہ الا اللہ پڑھتے پڑھتے نڈھال ہو گئے۔ اور اپنی جاں جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ صبح کو دس بج کر تیس منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

وصال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کھُلی ہوئی تھی تو آپ کی بہو سیدہ عصمت پروین (اہلیہ سید عبدالخالق) نے قریب آکر کہا: ابا آنکھ کھُلی ہوئی ہے اچھا نہیں لگ رہا ہے بند کر لیجیے۔ اس پر سید عبدالخالق نے کہا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں ابا تو اب دنیا میں رہے نہیں پھر بھی آپ آنکھ بند کرنے کو کہہ رہی ہیں۔ دوبارہ سیدہ عصمت پروین نے آپ کے کان میں کہا: ابا آنکھ بند کر لیجیے اتنا سننا تھا کہ آپ نے آنکھ بند کر لی۔ یہ وہ حقائق ہیں جو اہل اللہ پر فضل مولیٰ تعالیٰ سے منکشف ہو جاتے ہیں۔

وصال: ۱۶/جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۷مارچ ۲۰۱۷ء بروز جمعرات کو قصبہ سادات پور سیوان میں دس بج کر تیس منٹ ہوئے۔ آپ کا قبر انور "نول پور" کربلا قبرستان میں واقع ہے۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا مظفر الحسن موضع لہیجی سیوان نے پڑھایا۔ نماز جنازہ ۱۷/جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۸مارچ ۲۰۱۷ء بروز جمعہ کو ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

محمد سرفراز احمد مصباحی، اکڈنڈی، پریہار، سیتامڑھی (بہار)

۱۱/ربیع الغوث ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ

9598315181/9771212589

sarfarazmuj@gmail.com

سید عظمت حسین عظمتؔ بحیثیت شاعر (محمد سرفراز احمد مصباحی)

سید عظمت حسین عظمت دھمواروی کی پیدائش غالبا(۵ جمادی الاول ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۰/اگست ۱۹۰۲ بروز اتوار)کوان کے نانیہال فرداہا میں ہوئی۔آپ کے والد گرامی کا نام سید تصدق حسین ، والدہ کا نام سیدہ جمیل صغریٰ اور نانا کا نام سید یوسف اللہ چودھری ہے۔ آپ کا نام عظمت حسین اور تخلص عظمت تھا۔

جب آپ کی عمر دس سال کی تھی تو والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا آپ کی پرورش و پرداخت والدہ کے زیر سایہ دھموارہ شریف علی نگر بلاک میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد شعر و شاعری کے ذوق نے عروج پایا اور آپ کو مولوی احسن صاحب کے پاس رکھ دیا گیا۔

شاعری میں آپ کے دو استاذ ہیں ایک حکیم شاہ رفیع الدین اور دوسرے مولوی محمد احسن دھمواروی رحمۃ اللہ علیہ اور ساتھی شعرا میں سید وارث امام اور حکیم علاؤالدین عرف صابر تھے۔ اردو ادب کی خدمات انجام دینے کے بعد آپ کا وصال ۲۴/ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۵/جون ۱۹۹۳ بروز بدھ کو اپنے آبائی وطن دھموارہ علی نگر بلاک میں ہوا۔

سید عظمت حسین عظمت بیسویں صدی کے ایک معروف اور نیک صفت شاعر تھے اور ضلع دربھنگہ صوبہ بہار کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔لیکن دیہاتی علاقوں سے متعلق ہونے کی وجہ سے آپ کی شہرت کم ہو پائی تھی۔آپ اردو اور فارسی دونوں زبان میں شاعری کرتے تھے۔شاعری میں بنیادی رجحان تصوف،تغزل ،عشق رسول اور احیائے امت اسلام کی طرف تھا۔فن شاعری میں آپ کا قلم سیل رواں کی طرح چلتا تھا۔

براعت، صناعت، تخیل کا امتزاج خوب تھا۔ آپ بحیثیت شاعر متعارف تھے اسی وجہ سے آپ اپنے دور کے شعرا میں ممتاز اور منفرد تھے۔ علاقائی سطح پر آپ کی زمینی گرفت بہت مضبوط تھی اسی لیے عوام الناس کے مابین آپ کی مقبولیت بھی مسلّم تھی تقریباً پچیس سال تک سرپنچ (علاقائی مقدمات کے جج اور فیصل) بھی تھے

سید عظمت حسین عظمت کو خدا نے جن لازوال علمی، باطنی و نظری خصوصیات اور علمی وادبی خصائص سے نواز رکھا تھا ان میں سے ایک صفتِ خاص آپ کی فی البدیہہ نعت گوئی ہے۔ اگر ایسے نعت گو شعرا کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے اس صدی میں ثنائے مصطفی کا پرچم لہرانے والوں کو زیادہ ترمتاثر کیا ہے تو ان فہرست میں حضرتِ سید عظمت حسین عظمت دھمواروی کا اِسم گرامی بھی ہو گا کہ جن کی نعت گوئی سے عشق رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا درس ملتا ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ بہت بڑے عالم دین اور علومِ شریعت سے غیر معمولی آگاہی رکھنے والے نعت گو شاعر تھے اس لیے آپ نے نعت کے حقیقی مقام و مرتبہ کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں آپ نے نعت کی جو تعریف کی ہے وہ اصحابِ ذوق کے لیے شمع ہدایت ہے:

”حقیقتاً نعت شریف کہنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔“

سید عظمت حسین عظمت کا نعتیہ مجموعہ "کلامِ عظمت" ہے جو ابھی قلمی نسخے میں موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ جو اردو فارسی دونوں زبان پر مشتمل ہے۔

اس مجموعے کے اندر آپ کا ذاتی کلام اور آپ کے دور کے دیگر معروف شعرا کا کلام بھی موجود ہے جو آپ کو بے حد پسند تھا یا اس کلام کی فنی خاصیت سے متاثر ہو کر اسے پڑھا کرتے تھے ان میں سے چند کلام کو جابجا افادۂ عام کی غرض سے پیش بھی کیا گیا ہے۔

شاعری میں ان کے پیشِ نظر مداح رسول ﷺ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ذات گرامی مشعلِ راہ تھی۔ اپنے دور کے شعرا میں مولانا احسن دھماروی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی سے متاثر تھے۔

جہاں تک آپ کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی یا روایتی نہیں۔ آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ اور آپ کو بزرگانِ دین سے عقیدت تھی۔ آپ حُبِّ رسول میں غرق تھے اس لیے آپ کی شاعری میں صداقت موجود ہے۔

پوچھا جو کسی نے احقر سے کیوں گلزارِ سخن کو چھوڑ دیا — بولے کہ گیا جب موسمِ گُل بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا
چوکے نہ کسی دن خواب سے ہم غفلت میں گذاری ساری عمر — اے وائے غضب! آنکھیں کھولیں جب روح نے تن کو چھوڑ دیا
آتے ہیں عجب انداز سے وہ ڈھانپے ہوئے بالوں کو رخ سے — زلفیں جو ہٹیں ایک شور مچا سورج نے گہن کو چھوڑ دیا
اب آنکھ کسی پر کیا ڈالوں نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں — آنکھوں نے تیرے زخمی کر کے جنگل میں ہرن کو چھوڑ دیا

سید عظمت حسین عظمت دھماروی نے نعت کی شرعی حدود و قیود کا پورا پورا پاس و لحاظ کیا ہے۔ آپ کی نعت عشق و عقیدت کی حسین داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک نقطہ ذوق و شوق کی کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایات مصطفوی کا حق دار ٹھہراتا ہے۔

نعت میں عشق و عقیدت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پھول میں خوشبو کو حاصل ہے۔ خوشبو پھول کے باطنی حُسن کو اجاگر کرتی اور اس کی حقیقی پہچان بن جاتی ہے۔ آپ بڑے عاشق رسول تھے۔ یہی عشق ان کا سرمایۂ حیات اور یہی ادب و احترام ان کا اثاثۂ عمل اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعہ نجات تھا۔

آپ کا قلمی نسخہ بنام "کلامِ عظمت" جو آپ نے ۹/ربیع الاول مطابق ۱۱/جون ۱۹۳۵ء کو تحریر فرمایا تھا اسی نسخے سے ماخوذ کچھ اشعار احباب کے حاضر خدمت ہے۔

"کلام عظمت" کے مجموعے سے ماخوذ یہ اشعار آپ کے تخیلات کی بلندی کو پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ نام محمد آپ کا وظیفہ تھا، آپ کے دل کو ذکر محبوب سے تسکین ملتی، ہر وقت نام محمد کی مالا جپتے۔ آپ کی شعر و شاعری میں تغزل کا حسن اور نکھار بھی تھا:

جب کبھی تکلیف غم سے تن میں گھبراتی ہے روح ۔۔۔ لیتا ہوں نام محمد چین پا جاتی ہے روح

نزع میں ہوں مجھ کو دِکھلا دیجیے صورت نبی ۔۔۔ آ کے سمجھا دیجیے کیوں تن میں گھبراتی ہے روح

شوق دیدارِ نبی سے جاں نکلتی ہی نہیں ۔۔۔ سینہ سے آتی ہے لب تک اور ٹھہر جاتی ہے روح

مضمون آفرینی کو شاعری کی جان کہا جاتا ہے۔ شاعر جتنا بلند مضمون باندھے گا اس کا کلام اتنا ہی زیادہ مقبولیت عام اور فکری و فنی شوکت کا مقام حاصل کرے گا۔ آپ نے نعتِ مصطفی ﷺ رقم کرتے ہوئے مضامین آفرینی کی سربلندیوں کو چُھوتے ہوئے بھی ادب و احترامِ مصطفی کو فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ اس کوچہ ارادت و عقیدت میں معمولی سی ٹھوکر بھی انہیں بلند مقام سے نیچے گرا سکتی ہے۔ آپ نے خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا:

چہرہ انور پہ کاکل دیکھ کر کہتی ہے خلق ۔۔۔ ہے نقاب ابر سورج یا کہ زلف مشکبار

اس میں معانی و مفاہیم کی فراوانی موجود ہے کاکل سر کے بڑے بڑے آگے لٹکے ہوئے بال کو کہتے ہیں اور (مجازاً) زلف کو کہا جاتا ہے۔

رخ مصطفیٰ کی تشریح آپ کے اس شعر سے ہوتا ہے:

مصحف روئے نبی کی دید میں یاد آتی ہے　　　سورۂ والشمس کی تفسیر مجھ کو بار بار

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف عنبری کے بارے میں یہ اعتقاد راسخ تھا جس سے آپ کی مشام جاں معطر ہوا کرتی تھی:

مدتوں سے ہے مشام دل کو مرنے پر ہوس　　　کاکُلِ مشکیں کو تیرے رات دن سونگھا کروں

اعلیٰ حضرت کے ذوق سے اکتساب فیض کرتے ہوئے آپ نے دنیاوی بادشاہ کا چرچا معیوب سمجھتے تھے، برملا اس کا اظہار فرماتے:

داستان غیر کو حرف غلط سمجھا کروں　　　ہر جگہ ہر بزم میں بس آپ کا چرچا کروں

یا محمد آرزو ہے جب کہ میں سویا کروں　　　دید کی ہوئے تمنا خواب میں سویا کروں

عظمت مضطر کی تجھ سے آرزو ہے یا نبی　　　خواب و بیداری میں تجھ کو میں سدا دیکھا کروں

ایک دیگر نعتیہ شاعر کے اشعار میں تو آپ کے تخیل نے عشق مصطفیٰ کی سات سمندروں کو بھی پار کر دیا اور اس طرح گویا ہوئے:

وہ گل نہیں جس میں نہیں خوشبوئے محمد　　　بے دل ہے وہ جس دل میں نہیں بوئے محمد

گل پر نہ فدا ہوتی کبھی دل عُنادل　　　گلزار میں ہوتی نہ اگر بوئے محمد

پیراہن یوسف سے منور ہوئیں آنکھیں　　　یعقوب نے پائی جو نسبی بوئے محمد

بخشی گئی معراج کی شب امت عاصی　　　خالق کو پسند آگئی جب خوئے محمد

آپ نے اپنے استاذ شاعر احسن دھمواروی کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے شب معراج کی کچھ جھلکیاں اس طرح بیان فرمائی:

اسرار حق

مومنو دل سے پڑھو صل علیٰ آج کی رات	عازم عرش ہیں محبوب خدا آج کی رات
عرش نے شوق تمنا میں قدم بوسی کی	خوب ہی بوسۂ نعلین لیا آج کی رات
دیکھ کر ناز و ادائی شہ خوبان جہاں	مرحبا صل علیٰ حق نے پڑھا آج کی رات
جلوۂ چہرۂ انوار کا نظارہ کرکے	حوریں بولیں ، مری جاں تم پہ فدا آج کی
راتدیکھ کر حُسن خدادادِ شہنشاہِ زمیں	حبذا یوسفِ مصری نے کہا آج کی رات
مدعا، مقصد دل، دل کی مرادیں احسن	دیں گے سب تجھ کو شہ ہر دو سرا آج کی رات

ایک عظیم شاعر غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بصد شوق محافل میں پڑھا کرتے جسے آپ نے "کلام عظمت" میں بھی درج فرمایا تھا:

رونق فزائے محفلِ کون و مکاں ہو تم	فرمارِوائے مملکت دو جہاں ہو تم
ہستی تمھاری باعثِ تکوینِ دہر ہے	واللہ! کائنات کی روحِ رواں ہو تم
دنیا تمھارے جلووں کی آئینہ دار ہے	ہر چند چشمِ اہلِ جہاں سے نہاں ہو تم
دنیا کے فیلسوف تمہیں کیا سمجھ سکیں	ہے ماورائے عقل وہ منزل جہاں ہو تم
بوبکر اور علی ہیں اسی گلستاں کے پھول	جس گلستاں کے شاہ عرب باغباں ہو تم
پھر دینِ حق پہ یورشِ افواجِ کفر ہے	آقا، غلام ڈھونڈھ رہے ہیں کہاں ہو تم

ایک اور مقام پر آپ نے اپنی تمنائے دل اس انداز میں بیان فرمائی:

تمنا اب تو بر آئے ہماری یا رسول اللہ	میں دیکھوں صورت زیبا تمھاری یا رسول اللہ
خدا نے جب بلایا آپ کو عرش معلّیٰ پر	بڑھایا خلق پر عزت تمھاری یا رسول اللہ
خدائے پاک دے گا حکم جب جنت میں جانے کا	تو پہلے جائے گی امت تمھاری یا رسول اللہ
شفیع المذنبیں وہ فوقیت مجھ کو عطا کر دے	میری آنکھوں میں ہو صورت تمھاری یا رسول اللہ
دعائے عظمت عاصی یہی ہے تجھ سے اے مولیٰ!	بوقت جاں کنی لب پر ہو جاری یا رسول اللہ

اسرارِ حق

منقبت اور غزل گوئی میں بھی آپ نے فن شاعری کا بہترین مظاہرہ فرمایا ہے جسے پڑھ کر دل مچل جاتا ہے:

نام محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عظمت و رفعت کا بیان دل کو تسکین دلاتا ہے ایک ایک مصرع نام محمد کی برکتوں سے فیضیاب ہوجاتا ہے:

ہے دردِ محبت کی دوا نام محمد — دیتا ہے مریضوں کو شفا نام محمد

کہتے ہیں جسے عرش عُلیٰ لوح معظم — لکھا ہے وہاں نام خدا نام محمد

بخشی گئی آدم کی خطا چشم زدن میں — جس وقت لیا پیشِ خدا نام محمد

وہاں شانہ پہ کندہ تھا خطِ مُہرِ نبوت — یاں دل کے نگینے پہ کھودا نام محمد

دیکھو تو ذرا میم اور ن کو ہٹا کر — کب نام خدا سے ہے جدا نام محمد

منقبت و مناجات میں آپ مختلف کلام تحریر فرمائے ان میں چند ذیل میں درج ہیں:

میرے گھر میں تشریف لا غوث اعظم — مجھے اپنا جلوہ دکھا غوث اعظم

نہیں کوئی میرا مددگار مونس — مگر ہے ترا آسرا غوث اعظم

ذرا دیکھ لیجے نگاہِ کرم سے — کہ ٹل جائے سر سے بلا غوث اعظم

طفیل حبیب خدائے دو عالم — نہ ہو رد ہماری دعا غوث اعظم

ہے عارض سبھوں کی طرف سے بیزاری — ترا عظمت پُر خطا غوث اعظم

ایک اور مقام پر رشحات قلم سے یوں مہر ثابت کیا:

ہو حبیب کبریا یا غوث اعظم الغیاث — تم ہو مقبول خدا یا غوث اعظم الغیاث

آپ ہی کا بندہ عالم میں مجھے کہتے ہیں سب — گو بُرا ہوں یا بھلا یا غوث اعظم الغیاث

پھنس گیا ہوں ورطۂ غم میں خدا کے واسطے — پار ہو بیڑا مرا یا غوث اعظم الغیاث

مدتوں کی ڈوبی کشتی پار کردی آپ نے — میری کشتی کو بچا یا غوث اعظم الغیاث

ایک مقام پر آپ نے اپنے استاذ شاعر مولوی احسن دھمواری کے کلامِ منقبت کا انداز بیاں کچھ اس طرح سے کیا ہے:

تیری زلف ورخ کا میرے دل کے اندر تصور ہے شام وسحر غوث اعظم
نہ تجھ سے کہوں تو کہوں کس سے جاکر کہاں دوسرا چارہ گر غوث اعظم
احاطہ کیا ہے مجھے فوج غم نے عنایت ہو فتح وظفر غوث اعظم
مطالب ہوں احسن کے پورے ابھی گر ترحم کی ہو یک نظر غوث اعظم

سید عظمت حسین عظمت کو بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی ہر جگہ اسلاف واکابر کا تذکرہ فرماتے آپ کا قلمی نسخہ "کلام عظمت" شعر وشاعری کا حسین مجموعہ ہے جن سے بزرگوں کی عقیدت کا درس ملتا ہے۔

جب آپ نے حضور سید کائنات ﷺ کے حُسنِ باطنی اور جمالِ سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آپ کا انداز بیان دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ان کی نگاہوں میں حضور نبی کریم کے تمام خصائص و کمالات گھومنے لگتے ہیں حضور ﷺ کی عظمتِ کردار، رفعتِ گفتار، بے پایاں رحمۃ للعالمینی، میدان محشر میں آپ کی شفیع المذنبینی، گنہگار امت کے لیے حضور کی گریہ وزاری، خطا کاروں کی بخشش کے لیے رحمت شعاری، جُود وکرم کی فراوانی، لطف وعنایات کی فراخ دامانی، اخلاق عالیہ کی رفعت، سیرت وکردار کی عظمت خدا کی اپنے محبوب پر بے پایاں عنایت اور حضور نبی کریم کا امت کے لیے ہر آن امنڈ تا ہوا بحر شفاعت، یہ سب خصائص جب ایک شاعر کے قلم میں سمائے جائے تو ان کے خامۂ شعر وسخن کو نئی توانائی اور ان کے ذوقِ مدحت کو حیرت انگیز گہرائی وگیرائی عطا ہوتی ہے۔

چہرۂ انور پہ کاکُل دیکھ کر کہتی ہے خلق ہے نقاب ابر سورج یا کہ زلف مشکبار
جس کے حسنِ ناز کا ہے شیفتہ پر دگار مصحف روئے نبی کی دید میں یاد آتی ہے
سورۂ والشمس کی تفسیر مجھ کو بار بار

اسرارِ حق

دیکھ کر حسنِ خداداد شہنشاہِ زمیں
جذبا یوسفِ مصری نے کہا آج کی رات

دیکھ کر چرخ چہارم پہ قدم لینے کو
دوڑے حضرت کی طرف روحِ الٰہ آج کی رات

خورشید خجل ہو گیا نظّارہ سے جس کے
اللہ رے تجلّیِ رخِ نیکوئے محمد

آپ کا بارگاہِ غوث اعظم میں یہ استغاثہ بھی قرطاس وقلم کی زینت بنا ہوا ہے:

دعا ہے یہ صبح و مسا غوث اعظم
مجھے اپنے در پہ بلا غوث اعظم

بجز آپ کے کون ہے میرا مونس
کروں کس سے میں التجا غوث اعظم

معاون مددگار حامی ہمارا
تو بے شک ہے بعد خدا غوث اعظم

ہے مشہور عظمت نہ ہے جس میں عظمت
ترا رکھتا ہے آسرا غوث اعظم

ایک نعت کے اشعار میں آپ نے جان و دل اور مال و دولت کا نذرانہ بارگاہِ حضور ﷺ میں اس طرح پیش کیا ہے:

جلوۂ حسن نبی اللہ کا دیدار ہے
عرش اعظم سے نہیں کم آپ کا دربار ہے

شربتِ دیدارِ جاناں سے شفا ہوگی مجھے
اے مسیحا مجھ کو تو یہ عشق کا آزار ہے

زاہدا! میں ہوں غلامِ حضرت محبوبِ حق
جنت الماویٰ کی پرواہ اور نہ خوف نار ہے

گرچہ اپنا ہاتھ خالی مال و زر سے ہے تو ہے
اپنی نقدِ جان عظمت ہدیۂ سرکار ہے

آپ کے رشحات قلم کا یہ عظیم شاہکار اپنے اندر معانی و مفاہیم کا سمندر سمیٹے ہوا ہے اور اسلوب بھی بے مثال ہے:

ہے چمن پھولا پھلا اور خوشنما گلزار ہے
ہر طرف چھایا فلک پر ابر دریا بار ہے

ہو کہاں پوشیدہ میرا ساقیِ غمخوار ہے
بِن تیرے سونی پڑی یہ مجلس میخوار ہے

تیرا شیدا اک جہاں ہے تیری ہمت ہے بلند
دست گیری کر میری تیری مدد درکار ہے

ہاں پلا دے جام ایسا جس سے ہمت ہو بلند
کام جو کرنا ہے مجھ کو وہ بہت دشوار ہے

جلوۂ اشعار گوئی ہے بہت باریک راہ | عاجز و مجبور جس پر عقل کار ہوا رہے
بحر موّاجِ مضامیں اور یہ ناآشنا | گر ہو تیری استعانت پھر تو بیڑا پار ہے
پڑھ تو اپنی نظم عظمتؔ خوب ذوق و شوق سے | ڈر نہیں گر چہ یہاں پر مجمعِ اغیار ہے

آپ کا یہ سلام عقیدت عوام الناس کے استفادہ کے لیے بارگاہ خیر الانام میں حاضر ہے:

سلام اس پر جو اب آرام فرما ہیں مدینے میں | سلام اس پر بھرے تھے علم سارے جس کے سینے میں
سلام اس پر جو زورِ کفر و باطل سے نہ گھبرایا | سلام اس پر کہ جس نے دینِ حق دنیا میں پھیلایا
سلام اس پر دیا توحید خالص کا سبق جس نے | سلام اس پر بتایا امتیاز کفر و حق جس نے
سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمیں بن کر | سلام اس پر معزز تھا جو مکے میں امیں بن کر
سلام اس پر کہ جو باعث ہے تخلیق دو عالم کا | سلام اس پر جو ہے محبوبِ ربِّ عرشِ اعظم کا
سلام اس پر جسے کہتی ہے دنیا مصلحِ اعظم | سلام اس پر کیا باطل کو جس نے درہم و برہم
سلام اس پر جسے پیغمبر اسلام کہتے ہیں | سلام اس پر کہ جس کے ذکر سے دل شاد رکھتے ہیں

آج تمام نعت گو حضور اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو امام سخن و بیاں قرار دیتے ہیں۔ عشق اعلیٰ حضرت کا خراج وصول کرتے ہوئے سید عظمت حسین عظمت نے بھی زندگی بھر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصلِ ایمان سمجھے رکھا۔ اور خدا گواہ ہے کہ اس سے بڑی حقیقت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہم اسی موضوع سے متعلق آپ کے اسی جاوداں شعر پر اس تحریر کا اختتام کررہے ہیں۔

داستانِ غیر کو حرفِ غلط سمجھوں مُدام | ہر جگہ ہر بزم میں بس آپ کا چرچا کروں

اخیر میں ممنون و مشکور **ڈاکٹر التفات امجدی** صاحب سیوان کا جنھوں نے اس مضمون کی تکمیل میں میرا قلمی اور علمی تعاون پیش فرمایا۔ موصوف ایک قلم کار، ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ آپ کا شعری مجموعہ مختلف میگزین، ماہناموں، رسالوں اور اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ کچھ اشعار بطور استبراک پیش کررہا ہوں۔ جس میں آپ نے سلطانِ اجمیر و کلیر کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

دریائے ولایت کے ہیں گوہر صابر | سالک کے سفینوں کے ہیں لنگر صابر

اسرار حق

پرنور ہوئی آپ سے کلیر کی زمیں	انوار محمد کے ہیں مظہر صابر
ہوں شمس وقمر کیوں نہ فدائے صابر	دیکھی ہے زمانے نے ادائے صابر
ظلمتیں کوئی بھی آئے تو کیسے آئے	قلب میں اتری ہے ضیائے صابر

سلطان الہند خواجۂ کُل خواجگاں کا تذکرہ بھلا کیسے چھوٹ سکتا ہے۔

وحدت کے ہیں وہ رہبر کامل خواجہ	رہ رَو کو دکھا دیتے ہیں منزل خواجہ
ظلمت میں اجالوں کا نشاں دکھلا کر	آسان کیا کرتے ہیں مشکل خواجہ
ہر سر ہے تیرے در پہ خمیدہ خواجہ	اے صاحب اوصاف! حمیدہ خواجہ
نوشہ کی نظر تلاش کر کے ہاری	تجھ سا نہ ملا خدا رسیدہ خواجہ

بالخصوص سید **بخشش الٰہی کریمی**، **اور سید بختیار حسن صابری** صاحب قبلہ کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اس عظیم شاعر کی شاعری سے متعلق گراں قدر اطلاعات و معلومات فراہم کر کے اس مضمون کی اشاعت کی تکمیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ سید بخشش الٰہی کریمی سید عظمت حسین عظمت کے بھتیجے ہیں آپ کی ولادت ۲۱/رمضان ۱۳۷۲ھ مطابق ۴/جون ۱۹۵۳ء بروز جمعرات کو دھموارہ شریف علی نگر بلاک میں ہوئی۔ اور سید بختیار حسن سید عظمت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو سعادت دارین سے شاد کام فرمائے۔ آمین

محمد سرفراز احمد مصباحی

اکڈنڈی، پریہار، سیتامڑھی (بہار)

9598315181/sarfarazmuj@g,mail.com

بزرگوں کے اقوال زریں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

خدااور انسان کے درمیان ایک ہی حجاب حائل ہے جس کا نام نفس ہے۔

والدین کے چہروں کی جانب محبت سے نظر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

بے بسوں کی مدد کرنا، مجبوروں کی ضرورت پوری کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا دوزخ کے عذاب سے محفوظ کرتا ہے۔

گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل اور بے عزت کرنا۔

مومن کی معراج نماز ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

درویشی وہ ہے جو کسی کو محروم نہ کرے۔

عاشق وہ ہے جو نماز فجر ادا کرے اور دوسری صبح تک خیال دوست میں محو رہے۔

اے دنیا والو! خدا سے تمہیں شرم آنا چاہیے کہ اس کے سوا تم دوسرے کی پرستش کرتے ہو۔

متوکل وہ شخص ہے جو دوسروں سے مدد نہ لے۔

جس نے جھوٹی قسم کھائی اس کے گھر کی برکت اٹھالی جاتی ہے۔

بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے۔

اصل متوکل وہ شخص ہے جو دوسروں سے شکایت کرتا نہ پھرے۔

مومن وہ شخص جو تین چیزوں کو دوست رکھے موت، فاقہ اور درویشی

حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ عزوجل کا دوست ہے۔

جس شخص میں دریا جیسی سخاوت، آفتاب جیسی شفقت اور زمین جیسی تواضع نہ ہو وہ اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا۔

نماز دین کا رکن ستون ہے جب ستون قائم ہو گا تو مکان بھی قائم ہو گا دوسری صورت میں مکان کی

قائم نہ رہے گی۔

نماز ہی وہ شی ہے جو منزل گاہ عزت کے قریب لاتی ہے اور معراج سے نوازتی ہے۔

جو ظاہری اور باطنی اخلاق و محاسن کا حامل نہیں وہ سالک نہیں ہو سکتا۔

دنیا کو محض سرائے جانور تصور کرو اور جس قدر ممکن ہو سکے زادِ آخرت اکٹھا کر لو۔

اگر عشق خود کار رہبر نہ ہو تو وہ منزل کو نہیں پا سکتی۔

اللہ عزوجل خیرِ مجسم ہے اور اس کی تقدیر ہمہ گیر۔

ہنسی اور قہقہہ گناہ کبیرہ ہے اور قبرستان میں ہرگز نہیں ہنسنا چاہیے کیوں کہ قبرستان عبرت کی جگہ ہے ہنسی کا مقام نہیں۔

عاشق خدا وہ ہے جو ابتدائے عشق ہی میں فنا ہو جائے۔

علامت محبت یہ ہے کہ اطاعت کے ساتھ ہی محبوب کی ناراضگی سے ڈرو۔

سچا وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی شے نہ ہو اور معاملات دنیا میں کوئی دخل نہ ہو۔

مصیبت اور سختی کا آنا صحت اور ایمان کی علامت ہے۔

اہل معرفت سورج کے پرتو ہوتے ہیں اور کائنات میں روشنی بکھیرنے اور راہ حق کے طالبوں کو منزل مقصود پر پہنچاتے ہیں۔

کائنات میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے اور وہ ہے نور خدا اور باقی سب کچھ غیر موجود ہے۔

عارف ایک قدم اٹھا کر عرش پر پہنچ جاتا ہے اور دوسرا اٹھا کر واپس آجاتا ہے۔

عارفین خدا آفتاب کے مانند دنیا میں روشن ہوتے ہیں اور سارے جہان کو معرفت کی روشنی سے منور کرتے ہیں۔

حسد بہت بُری شے ہے اسے دل میں ہرگز جگہ نہ دو۔

حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ عزوجل کا دوست ہے۔

اسرارِ حق

حضرت علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

ایک دل میں دو کو جگہ دینا ممکن نہیں۔

جاہل اور لالچی صوفی شیطان کا مسخرہ ہے۔

جو فقیر امیروں کے دروازوں پر جاتا ہے وہ مکار ہے۔

استغراق یہ ہے کہ اللہ کے سوا غیر کا نشان بھی نہ ہو۔

اضطراب کی حالت میں دعا ہی کام کی شی ہے اسی لیے اللہ عزوجل کے حضور دعا مانگا کرو۔

ترک دنیا سے مراد ترک مکروہات دنیا ہے۔

انسان بے وقوف ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا جسم گنے کی طرح ہے۔ جس طرح گنے میں مٹھاس ہوتی ہے اسی طرح اس کے جسم میں عجیب و غریب روحانی چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ انسان اپنی کوتاہی عقل کی وجہ سے اپنے جسم کو گنے کی جگہ ببول کا کانٹا بنالیتا ہے۔

اگر اللہ عزوجل کی طرف سے دعا مانگنے کا حکم مل جائے تو میں حاکم وقت کے لیے دعا مانگوں گا تاکہ مخلوق کی بہتری ہو سکے۔

تصرف حقیقی اللہ عزوجل ہے جب کہ بندہ درمیان میں وسیلہ ہے۔

شریعت دراصل یہ ہے کہ ہمیشہ ادب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور مخلوق خدا کے ساتھ دین اسلام کی ظاہری تعلیمات کے مطابق معاملات رکھے جائیں۔

رہبر وہی ہے جو اس قدر طاقت رکھتا ہو کہ وہ طالب ہدایت کی کمزوریوں کو اپنی باطنی قوت سے دور کر دے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

دعا کے وقت کسی گناہ کا خیال دل میں لانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیے۔

آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کی نگاہ میں تمام مخلوق مچھر سے بھی کم حیثیت نہ رکھتی ہو۔

جو شخص راہ محبت میں کامل ہے اس سے عالمِ ظاہر و باطن کی کوئی بھی شے پوشیدہ نہیں۔

توبہ تین اقسام کی ہوتی ہے اول حال، دوم، ماضی، سوم مستقبل۔

درویشوں کا راستہ عوام کے راستے سے مختلف ہے۔

فقر و فاقہ کی رات درویش کے لیے معراج کی رات ہے۔

سالک میں عجز و انکساری، تسلیم و رضا، خوف و رجاء، صبر و شکر کے اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

جو تائب ہوتا ہے اسے اطاعت سے پورا ذوق ملتا ہے۔

کسی کی برائی نہ کرو، قرض نہ لو، جفا کے بدلے عطا سے کام لو، اگر تم ایسا کرو گے تو بادشاہ بھی تمھارے در پہ آئیں گے۔

بُرا کہنا بُرا ہے مگر بُرا چاہنا اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

اس دنیا میں کامیابی اس وقت تک نہیں ملتی جب تک انسان خدمت خلق کو اپنا مقصد نہ بنا لے۔

درویش کے دل میں زمین کی سی وسعت اور سورج کی سی تواضع ہونی چاہیے۔

قیامت کے بازار میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہوگی۔

علم کے درجہ سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں۔

زمین کی پنہائیاں اللہ نے ہر ایک کے لیے کھول رکھی ہیں اور انسانی برادری میں کسی بھی قسم کی تفریق کرنا جائز نہیں۔

فائدہ پہنچانے اور نیکی کرنے میں تمام انسانوں کو برابر سمجھنا چاہیے جب ہم انسانوں میں تفریق ختم کر دیں گے تو نفرت کا بیج دلوں سے نکل جائے گا۔

اسرار حق

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

متکبر شخص کے ساتھ قیام وطعام سے گریز کیا کرو کیوں کہ اس سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے۔

متقی مزدور اللہ تعالی کے نزدیک فاسق حکمران سے زیادہ عزت دار ہے۔

نیکوکار غریب و مسکین آدمی اس مالدار سے بہتر ہے جو بدکار یا بے راہ رو ہو۔

غوث ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں اور بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔

اپنے قلب کو مرشد کے قلب کے نیچے تصور کرنا اور اس طرح سمجھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات مرشد پاک کے قلب سے چھلک کر میری جانب آرہے ہیں تو اس سے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

جو اللہ تعالی سے زیادہ ڈرنے والا ہے وہی اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگی والا ہے۔

طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی ہیں کہ مکمل طور پر مرشد کے ہاتھوں بِک جانا۔

طلب صادق ہو تو راہ حق کے دروازے خود بخود کھُل جاتے ہیں اور منزل مقصود سامنے آجاتی ہے۔

اقوال زریں حضرت زینب رضی اللہ عنہا

مذہبی عورت وہ ہے جو ہمیشہ خود نمائی و خود ستائی اور دیگر تمام برائیوں سے دور رہے۔

بلند درجہ عورت وہ ہے جس کا اخلاق اور حسنِ سیرت زیادہ بلند ہو۔

کبھی دوسروں کے متعلق بدگمانی نہ کرو کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ خدا کی نظر میں تم سے زیادہ عزیز ہو۔

محبت کے لیے فرصتِ زندگی کم ہوتی ہے نہ جانے لوگ نفرت کے لیے کہاں سے وقت نکال لیتے ہیں۔

بچوں سے پیار اور شفقت سے پیش آنا رحمت الٰہی کو پانا ہے۔

رحمت الٰہی کا حقدار وہ ہے جو قرابت داروں کو ان کا حق اور مسکینوں، مسافروں سے حسنِ سلوک کرے۔

حقیقی دوست وہ ہے جو رنج و غم میں بھی دوستوں کا ساتھ دے۔

بھوک صبر کے ساتھ ایسا بادل ہے جس بادل سے بارانِ رحمت کے سوا اور کچھ نہیں برستا۔

وہی دل حکمت و دانش کا مخزن بن سکتا ہے جو دنیا کی محبت سے خالی ہو

خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ دھموارہ شریف کے منصوبے اور عزائم

تبلیغ اسلام اور نشر و اشاعت کے شعبے میں خانقاہوں کا ہمیشہ غیر معمولی کردار رہا ہے جس نے ہر دور میں معاشرے کی بکھری ہوئی زلفوں کو سنوار کر راہ راست پر لانے کا کام بحسن و خوبی انجام دیا ہے، بھٹکے ہوئے مسافروں کو صراط مستقیم پر گامزن کر کے ملک و ملت کے باشندگان کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کیا ہے۔ انہیں خانقاہوں کی ایک کڑی "خانقاہ چشتیہ فریدیہ صابریہ قادریہ" دھموارہ شریف ہے۔ جہاں حضرت سید شاہ مخدوم بشیر احمد چشتی فریدی صابری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مرجع عام و خاص ہے۔

اس خانقاہ کی روحِ رواں صاحب سجادہ، مخیر قوم و ملت، خاک پائے اولیا، جان مریداں حضرت "سید بختیار حسن" صاحب صابری فریدی چشتی دام مجدہ کی ذات ہے جنہوں نے اولیائے کرام بالخصوص والد بزرگوار کے مشن پر خصوصی طور پر اخلاص نیت کے ساتھ کام کیا ہے، قوم و ملت کی معاونت جن کا طرہ امتیاز ہے اور بلا رنگ و نسل اور جنس و ذات خدمت انسانیت میں مصروف عمل ہے۔۔ ابھی اس خانقاہ سے تبلیغ اسلام کا کام اور قلمی خدمات انجام پا رہے ہیں مستقبل قریب میں قوم و ملت کو آپ سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ تعالی ثبات قدمی کے ساتھ بازوؤں میں قوت حیدری عطا فرمائے۔

تاہم مستقبل کے کچھ ایسے منصوبے ہیں جن کی تکمیل ابھی ہونی باقی ہے:

(۱) خانقاہ کے زیر اہتمام ایک تعلیمی ادارے کا قیام از حد ضروری ہے۔

(۲) فری ڈسپنسریز، میڈیکل کیمپ غریب و نادار گھرانوں اور مفلوک الحال کے لیے مفت داواؤں کا انتظام و انصرام۔

(۳) شعبۂ نشر و اشاعت اور فلاح عام کے لیے ضروری اسباب و سائل کی فراہمی۔

(۴) غربا کی مالی امداد اور بے سہارا بچوں کے ادارہ آغوش جیسے کئی منصوبہ جات پر کام کرنا۔

تمام اہل خیر اور عقیدت مند حضرات سے بھرپور تعاون اور حوصلہ افزائی کی اپیل ہے

PUBLISHER: KHANQAH E CHISHTIYA FRIDIYA SABRIYA QADRIYA
DHAMWARA SHARIF ALI NAGAR BLOCK DARBHANGA(BIHAR)
9899464250/8800169340